کچھ تو کہو ناں

بنت حوا

آج اے دل لب و رخسار کی باتیں ہی سہی
وقت کٹ جائے گا کچھ پیار کی باتیں ہی سہی
یوں تو کٹتی ہی رہے گی غم دوراں میں حیات
آج کی رات غم یار کی باتیں ہی سہی

"اس میں رونے کی کیا بات ہے پگلی، اللہ نہ کرے تم اکیلی پڑو، تمہارے سر کا سائیں موجود ہے، اللہ اسے سلامت رکھے، میں اور تمہارے پاپا بھی چکر لگاتے رہیں گے، تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سب لڑکیوں کو شادی کے بعد اپنا گھر اکیلے ہی سنبھالنا ہوتا ہے، چاہے گھر سسرالیوں سے بھرا ہو یا خالی۔" اماں اس کو سمجھاتے ہوئے اور اس کا سر سہلاتے ہوئے بولیں۔

"اگر یہ نہیں جانا چاہتیں تو زبردستی نہ کریں ممی۔" حمزہ اندر آتے ہوئے بولا۔ اس نے ہڑبڑا کر سر اٹھا کر آنسو پونچھے۔

"کیسی باتیں کرتے ہو تم؟ یہ تو کم عمر ہے، تم تو عقل کے ناخن لو، پہلے ہی اتنے دن اس نے تمہارے بغیر گزار دیئے، لوگ باتیں بنانے لگے ہیں۔" انہوں نے ناراضی سے بیٹے کو دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"دیکھو سپنا، جب میری شادی ہوئی تھی تو میری تو ساس بھی نہیں تھیں، نہ مجھے کوئی گائیڈ کرنے والا تھا نہ ہی سمجھانے والا بس اپنے میکے میں سیکھا ہوا کام آیا، تمہارے پاپا بھی ولیمے کی رات کو محاذ پر نکل گئے تھے پھر شادی کے پورے تین ماہ بعد واپس گھر آئے تھے، فوجیوں کی زندگی تو ایسی ہی ہوتی ہے پھر نیناں کو دیکھو، کتنی دور اکیلے سارے سسرال، سارے سیٹ اپ کو کور کر رہی ہے، اسی طرح اپنی چھوٹی بہن ثمینہ کو دیکھو اور پھر تم تو خوش نصیب ہو کہ تمہارے ساتھ سب ہیں، حمزہ جیسا ساتھ نبھانے والا سمجھدار ساتھی ہے۔" وہ سمجھا رہی تھیں۔

"ہنہ..... ساتھ نبھانے والا یا طعنے دے دے کر مار دینے والا۔" اس نے شاکی نظروں سے بے اختیار حمزہ کو دیکھا جو پہلے ہی سے اسے دیکھ رہا تھا، اسے دیکھ کر اس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا، ممی کافی دیر اسے سمجھاتی رہیں پھر ناشتے کے بعد وہ اس کے ساتھ پیکنگ کراتی رہیں۔

"وہاں جا کر فیشن کے مطابق نئے کپڑے وہیں سے بنوا لینا..... بٹلر، ڈرائیور ہر طرح کے ملازم ملے ہوئے ہیں حمزہ کو تمہیں وہاں کوئی پریشانی نہیں ہوگی لیکن بیٹا ملازموں کے بھروسے پر گھر مت چھوڑنا، ان کے سروں پر موجود رہنا ضروری ہوتا ہے، تم ابھی کم عمر ہو اور لاپروا بھی، اپنی اور حمزہ کی، اپنے گھر اور ساز و سامان کی حفاظت کی ذمہ داری اب تمہاری ہے۔ حمزہ کو کیا ناپسند ہے اور کیا پسند ایک ماں کی حیثیت سے تو مجھے جو کچھ پتا تھا میں نے تمہیں بتا دیا مگر بحیثیت شوہر وہ کیا پسند کرتا ہے اور کیا پسند نہیں کرتا، اس کا پتا تمہیں لگانا ہے۔" وہ پیکنگ کے ساتھ ساتھ اسے کام کے سارے گر سمجھا رہی تھیں۔

"ممی..... ایک بات پوچھوں؟" اس کے ذہن میں جو بات تھی سوال بن کر لبوں پر آ گئی۔

"ہوں..... پوچھو۔"

"آپ اتنی خوب صورت ہیں..... پاپا آپ سے آپ کی خوب صورتی کی وجہ سے محبت کرتے ہوں گے؟" بڑا بچکانہ

سوال تھا، وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

"پسند تو انہوں نے مجھے میری خوب صورتی کی وجہ سے ہی کیا تھا مگر محبت کرنے کی اصل وجہ یہ نہیں۔" وہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولیں اور بستر پر ہی بیٹھ گئیں۔ سپنا ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"تو پھر؟" سوال اس کی آنکھوں میں تھا۔

"دیکھو سپنا، یہ جو شادی کا بندھن ہوتا ہے ناں اسے مضبوط بنانے اور قائم رکھنے کے لیے بڑی تگ و دو کی ضرورت ہوتی ہے۔ شادی بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اسے قائم رکھنے کے لیے زیادہ کوشش عورت کو کرنی پڑتی ہے۔" وہ ہولے ہولے سے سمجھانے لگیں۔ "حسن ظاہر تو سمجھو بس مہمان کی طرح ہوتا ہے، شادی کے چند دنوں بعد ہی عورت کا ظاہری حسن ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے مگر جو چیز دیرپا اور مضبوط رہتی ہے وہ ایک عورت کی اپنے گھر، اپنے شوہر، اپنے بچوں کو سکھ دینے اور جوڑ کر رکھنے کی کوشش ہوتی ہے، تمہارے پاپا کو محبت مجھ سے شادی کے بعد ہوئی تھی۔" وہ ذرا سا رکیں، سپنا نے ان کے چہرے پر حیا کا گلال دیکھا تھا۔ "میں نے اپنی محبت، خلوص، بے غرضی اور عقل سے تمہارے پاپا کو اپنی محبت میں مبتلا کر لیا اور دیکھ لو، آج تک وہ میرے ہیں۔" وہ مسکرائیں، سپنا نے دیکھا ان کی آنکھیں تک مسکرا رہی تھیں۔

"ظاہر حسن تو کبھی نہ کبھی ڈھل ہی جاتا ہے مگر وہ حسن جو ہمارے اندر ہو، جو ہم اپنے گھر کے کونے کونے میں بکھیر دیں، وہ حسن جو ہمارے شریک حیات کے چہرے سے پھوٹنے لگے، وہ حسن جو ہماری اولادوں کی زندگیوں کو حسین بنا دے، اصل اور لازوال حسن تو دراصل وہی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے کہنے لگیں نجانے کیا یاد آ گیا تھا۔

"یہ سب تو آسان ہے۔" وہ اطمینان سے بولی تو ممی نے اس کی طرف دیکھا۔

"جانتی ہو سپنا...... دنیا کا سب سے مشکل کام کیا ہے؟"

"کیا؟" وہ بولی۔

"گھر بنانا۔"

"گھر بنانا؟" وہ یک دم حیران ہوئی۔

"ہاں گھر بنانا، اینٹ پتھر کے مکان تعمیر کرنا آسان ہے

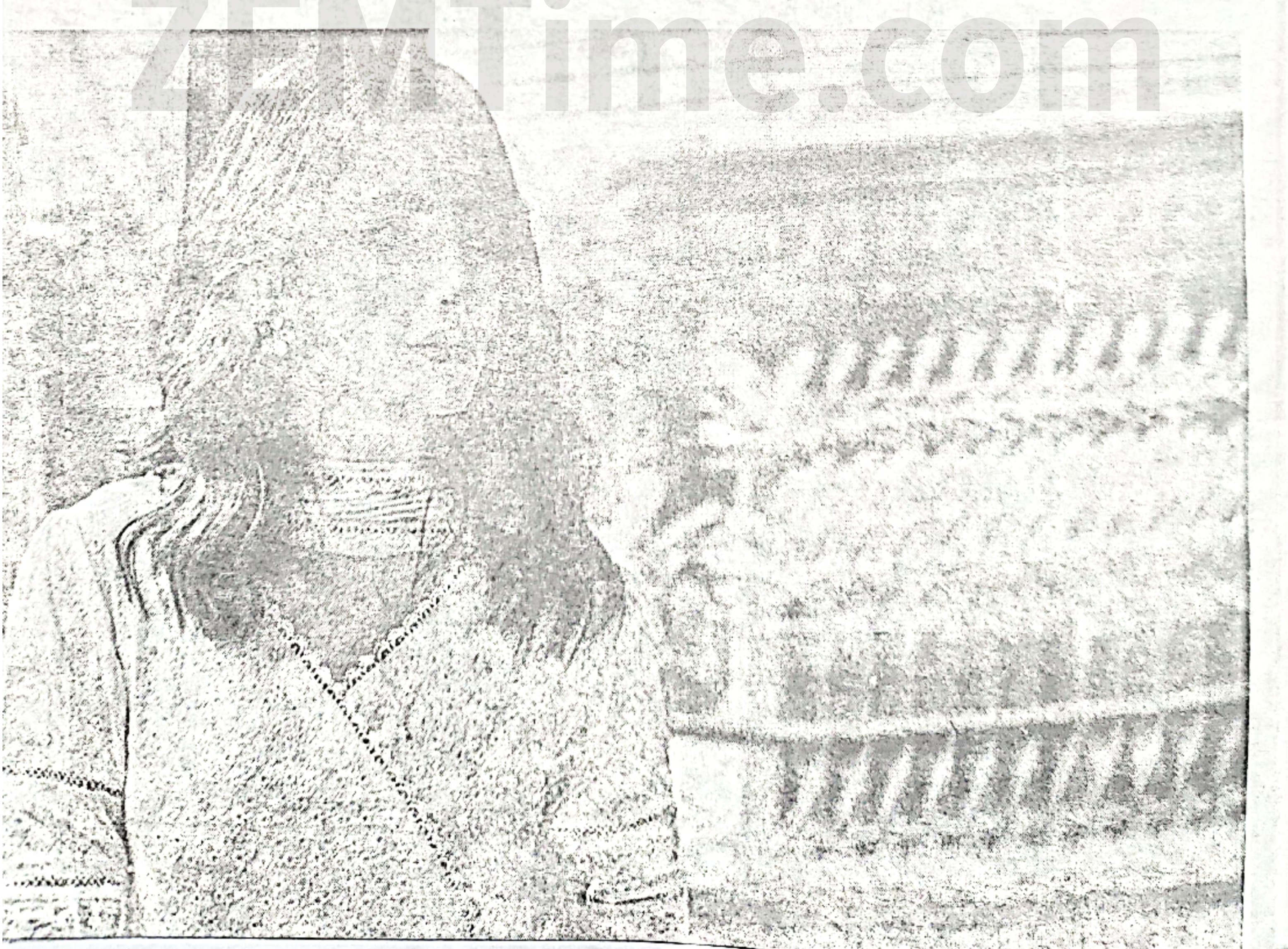

مگر اس مکان کو گھر بنانا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے کیونکہ گھر رشتوں سے بنتے ہیں، محبت اور اپنائیت سے جڑے رہتے ہیں، یہاں کی اینٹ پتھر ہوتے ہیں، میاں، بیوی اور بچے اینٹوں پتھروں کو جوڑنے والی سیمنٹ ہوتے ہیں، ساس، سسر، دیور، نند بھابیاں اس گھر کے دروازے، کھڑکیاں، روشندان ہوتے ہیں، جب سب یکجا ہوتے ہیں، ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں، رشتوں کا لحاظ کرتے ہیں، حقوق و فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں تب جا کر اس گھر کی دیواروں پر رنگ جمتا ہے کہیں کوئی کمی رہ جائے تو وہ حصہ بہت بدنما لگتا ہے، بچپن مین سنی ہوئی اس کہانی کی طرح، جس میں بادشاہ کو یہ تو منظور ہوتا ہے کہ وہ اپنے محل کو داغ دار رکھے مگر یہ گوارا نہیں ہوتا کہ وہ کسی کا حق مارے اور سپنا یہ ساری ذمہ داری آتی ہے عورت پر...... وہ عورت جو بہو بن کر کسی مکان میں جاتی ہے اور اس عورت پر جو ساس بن کر پہلے سے وہاں موجود ہوتی ہے......" وہ کہتے ہوئے کہیں گم سی ہو گئیں۔

"آپ نے یہ سب کہاں سے سیکھا، یہ باتیں، یہ ساری سوچیں؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔ اماں سے اسے ایسی باتیں سیکھنے کو کہاں ملی تھیں بھلا؟ حمزہ صحیح کہتا تھا اس کی ماں واقعی بہت سمجھدار خاتون تھیں۔

"کہیں سے نہیں، بس زندگی اور تجربے سکھا دیتے ہیں، زندگی سے بڑا کوئی استاد نہیں، تجربے سے بڑا کوئی رہنما نہیں، کوئی کتاب وہ نہیں سکھاتی جو حالات ہمیں سکھاتے ہیں، شادی مذاق نہیں، شادی بہت صبر آزما کام ہے۔ بس یہ یاد رکھنا کہ شادی سے پہلے تم اپنے لیے جیتی تھیں، اب تمہیں حمزہ اور اپنے آنے والے بچوں کے لیے جینا ہے۔" ان کی بات پر وہ لجا گئی۔

"سپنا...... تمہارا شوہر کیا چاہتا ہے یہ زیادہ ضروری ہے، تم کیا چاہتی ہو یہ اتنا ضروری نہیں۔"

"تو کیا اپنی ذات کی نفی کر دوں؟" وہ بولی۔

"ہرگز نہیں، میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، تمہاری ذات، تمہاری ہر چیز اب تمہارے شوہر کی امانت ہے، تم اس کے لیے بنو سنورو، اس کی سوچ کے حساب سے خود کو ڈھالو اس کی پسند میں رنگ جاؤ پوری کی پوری بس اسی کی ہو جاؤ، یہی تمہاری کامیابی ہے، یہی تمہارا حسن ہے، یہی تمہارا حاصل ہے، یہی تمہاری جیت ہے تم اس کے گھر کی ملکہ ہو سپنا...... ملکاؤں جیسا برتاؤ اپناؤ، اس کا گھر تمہاری بدولت ہے، اپنی اہمیت کو سمجھو اور سمجھاؤ، شوہر کا بن جانا ہی اس کی ہار اور تمہاری جیت ہے۔ اس میں انا کہاں کی اور اکڑ کہاں کی؟" وہ ذرا دیر رکیں، سپنا پر ان کی باتیں جادو بن کر اثر کر رہی تھیں۔

"دیکھو، برا مت ماننا، میں تمہاری ساس بعد میں ہوں حمزہ کی ماں پہلے ہوں، میں اپنے بیٹے کو تم سے بہتر سمجھتی ہوں اسی لیے تمہیں ضروری باتیں سمجھا رہی ہوں...... تم کچھ لاپروا ہو، زیادہ وسعت نہیں ہے تمہاری سوچ میں، شروع کی محنت ہے، بعد میں آرام ہی آرام ہے، حمزہ کے ساتھ رہو گی تو اسے جاننے میں آسانی رہے گی، اب جا رہی ہو تو میکے آنے کی جلدی مت کرنا، لڑکیاں اپنے گھروں کی ہو جائیں تو پھر وہ میکے میں نہیں سجتیں۔ نرم کہے، سخت کہے سن لیا کرنا...... جب وہ غصے میں ہو تو تم چپ ہو جایا کرنا، وہ غصہ کم کرتا ہے مگر جب غصے میں ہو تو اس کے سامنے سے ہی ہٹ جایا کرنا۔"

"کیوں...... کیا مارتے ہیں؟" وہ خوف زدہ ہوئی۔

"نہیں......" وہ بے ساختہ مسکرائیں۔ "اس کا غصہ سمندر کے نیچے چھپے خاموش طوفان جیسا ہوتا ہے...... تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس حالات اور موقع محل دیکھ کر بات کیا کرنا، نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ وہ تم سے کچھ ناراض ہے۔" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی لگتا ہے، کیا انہوں نے آپ سے کچھ کہا؟" اس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا۔

"نہیں...... وہ اپنے دل کی بات آسانی سے نہیں کہتا، بس چاہتا ہے کہ دوسرا خود ہی سمجھ جائے۔" ممی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"یہ تو مشکل ہے، اب ہر کوئی مائنڈ ریڈنگ نہیں کر سکتا اگر کسی کو کسی سے کچھ شکایت ہو تو کہنا چاہیے، خود سے الہام تو ہونے سے رہا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"ہوتے ہیں کچھ لوگ...... ذرا الگ قسم کی سوچ رکھتے ہیں، مگر تم اس کی بیوی ہو، اس کی پسند ہو، میں خود تمہارے ساتھ نہیں جا رہی، حالانکہ تمہارے پاپا نے دو چار مرتبہ مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں وہاں سیٹل کرا آؤں مگر میں چاہتی تھی کہ حمزہ خود تمہیں یہاں سے آ کر لے جائے...... تم خود اس کے ساتھ جاؤ اور اپنا گھر اپنی مرضی سے سیٹ کرو، شروع میں اگر

بیساکھی کی عادت ہوجائے تو پھر انسان ساری زندگی اپنے دونوں پاؤں پر کھڑا ہونے کے باوجود گرنے کے ڈر میں مبتلا رہتا ہے۔" وہ دیر تک اسے سمجھاتی رہیں۔ اس کی نفسیات، اس کے ذہن کے حساب سے بہت سی باتیں بتاتی رہیں، وہ گیلی مٹی کی طرح ان کی باتوں کو اپنے اندر بٹھاتی رہی، ممی بہت سمجھدار تھیں، انہوں نے بہت طریقے سے اس کی سوچ کے زاویے کو موڑ دیا تھا، وہ سوال کرتی اور وہ اسے جواب کی شکل میں ہدایت دیتی رہیں اور جب اس کے پاس سے اٹھنے لگیں تو انہوں نے آخری بات کہی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ حمزہ تم سے ناراض ہے تو کھل کر اس سے بات کرو...... کھل کر بات کرنا گھٹ گھٹ کر غلط سوچ کے ساتھ جینے سے بہتر ہے...... ابھی شروع کے دن ہیں وہ میرا بیٹا ہے، میں اچھی طرح اسے جانتی ہوں، جہاں محسوس کرو کہ بات اب خدانخواستہ ہاتھ سے نکل رہی ہے تب مجھے یا اپنے پاپا کو انوالو کرنا یا اپنے پیرنٹس کو مگر کوشش کرنا کہ آپس کی بات آپس میں نبٹاؤ۔ تیسرے فریق کو درمیان میں نہ ڈالو، اب میں چلتی ہوں، تم بھی تیاری کرو وقت تنگ ہورہا ہے۔"

ان کے جانے کے بعد اس نے وارڈ روب سے کپڑے نکالتے ہوئے ان کی باتوں کو اندر ہی اندر دہرایا۔ باتھ روم میں جاتے ہوئے اس کی نظریں ایک بار پھر حمزہ کی فیملی فوٹو پر پڑیں...... وہ جب جب اس تصویر کو دیکھتی ایک ناقابل فہم احساس سے دوچار ہوجاتی تھی۔

❋ ...... ❋ ...... ❋

گھر سے کراچی تک کا راستہ خاصی خاموشی سے کٹا تھا سوائے چند ایک ضروری باتوں کے حمزہ نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ ایئر پورٹ پر آفس کی گاڑی انہیں پک کرنے آئی تھی۔ حمزہ تو گھر آتے ہی تیار ہوکر کہیں چلا گیا تھا، گھر کے نوکروں نے خود ہی اپنے آپ کو متعارف کرایا تھا۔ اس نے گھوم پھر کر اچھی طرح سے گھر دیکھ لیا تھا۔ اسے گھر سے زیادہ گارڈن پسند آیا تھا، فوجیوں کو تو ویسے بھی چھانٹ چھانٹ کر خوب صورت علاقے اور جگہیں دی جاتی ہیں۔ گھر میں سب ہی مرد ملازم تھے۔ اسے کچھ ہچکچاہٹ محسوس ہورہی تھی۔ دفعتاً اسے منی کا خیال آیا اس نے اپنی ٹیلی فون ڈائری میں سے اس کا نمبر نکالا یہ منی کا ذاتی نمبر تھا، دوسری بیل پر ہی اس نے فون اٹھالیا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

"آج ہی بلکہ چند گھنٹے پہلے ہی آئی ہوں...... بور ہورہی تھی سوچا تم سے بات کرلوں اور اپنے آنے کا بھی بتادوں۔" اس نے کہا۔

"اچھا کیا...... اب آپ اور حمزہ بھائی ہمارے گھر آیئے گا بلکہ ہم خود آئیں گے۔" وہ کافی مسرور اور مطمئن لگ رہی تھی۔ اس سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد سپنا نے فون رکھا ہی تھا کہ بٹلر آگیا۔

"بیگم صاحبہ، ڈنر میں کیا پکانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ڈنر میں......" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ حمزہ کو کھانے میں فرائیڈ چیزیں پسند تھیں اور ڈنر بھی وہ کافی ہلکا پھلکا کرتا تھا۔ یہ معلومات اسے ممی نے فراہم کی تھیں۔

"ایسا کرو کہ ایک فرائیڈ رائس اور چاؤ من پکالو۔" اس نے سوچ کر کہا۔

"جی بیگم صاحب اور ڈیزرٹ میں؟"

"کچھ بھی بنالو۔" وہ جھلائی۔

"آپ کو کچھ چاہیے؟"

"نہیں تھینکس...... میں کچھ دیر ریسٹ کروں گی۔" اس نے جواب دیا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی، حمزہ کا بیڈ روم سادگی سے سجا ہوا تھا، کوئی اضافی اور بے کار سامان کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے تنقیدی نظروں سے کمرے پر نئے سرے سے نظر ڈالی...... براؤن کلر کے شیڈڈ وال کلر، ڈارک براؤن پردے، ڈارک براؤن ووڈن فرنیچر، لائٹ براؤن کارپٹ، دیوار پر صرف ایک بڑی سی گھڑی آویزاں تھی۔ ایک بڑے سائز کی الماری جو کہ دیوار گیر تھی اور اندر ڈریسنگ میں رکھا جوتوں کا ریک۔ اس نے جیسے چڑ کر کمرے کو ریجیکٹ کردیا۔

"کیا سیٹنگ ہے جناب کے کمرے کی۔" اس نے خود کلامی کی، اسی پل دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس......" اس نے شاہانہ انداز میں اجازت دی۔

"بیگم صاحبہ، میں اٹیچی کیس لایا ہوں۔" بیٹ مین نے کہا۔

"ہاں لے آؤ۔" اس نے اجازت دی۔ بیٹ مین اٹیچی کیس اندر لے آیا۔

"تمہاری صاحب اتنی سادگی سے رہتے ہیں۔" وہ بیٹ مین سے کچھ دیر پہلے خاصی گپ شپ لگا چکی تھی لہٰذا قدرے بے تکلفی سے بولی۔

"جی...... پتا نہیں بیگم صاحبہ لیکن میجر صاحب کے پاس شاید وقت نہیں ہوتا ان سب باتوں کے لیے۔ اب آپ آ گئی ہیں تو ان کی زندگی اور گھر دونوں میں رنگ بھر دیں گی۔ ویسے ہمارے صاحب بہت ہی سادہ طبیعت کے مالک ہیں۔ بہت سادہ کھانا کھاتے ہیں اور بہت ہی سادگی سے رہتے ہیں، ہمارے لیے تو اچھا کھانا پکواتے ہیں مگر خود سادہ کھانا کھاتے ہیں، ویسے اکثر وہ دن میں صرف ایک بار ہی کھانا گھر پر کھاتے ہیں۔ کبھی صبح کا ناشتہ تو کبھی ڈنر...... دوپہر میں تو وہ گھر پر ہوتے ہی نہیں ہیں، ان کی مصروفیات ہی ایسی ہیں۔" باتونی بیٹ مین بغیر رکے شروع ہو گیا تھا۔

"اس قصیدہ گوئی سے لگتا ہے کہ تم اپنے صاحب سے بہت محبت کرتے ہو۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"وہ ہیں ہی اتنے اچھے کہ ان سے محبت کرنے کو دل چاہتا ہے، کسی کو تنگ نہیں کرتے، اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، اگر کبھی رات کو دیر سے آنا ہو تو کسی نوکر کو سوتے سے نہیں جگاتے، خود ہی اپنا کام کر لیتے ہیں۔" بیٹ مین نے کہا۔

"تم لوگوں کو ان کے انتظار میں جاگنا چاہیے۔"

"ہم یہی کرتے تھے بیگم صاحبہ مگر صاحب کا سختی سے آرڈر تھا کہ ان کی دیر سے واپسی کی صورت میں کوئی ملازم ان کے انتظار میں نہ جاگے، ہم سب ان کے لیے مفت کے ملازم ہیں مگر وہ ہم سے اضافی کام نہیں لیتے، ورنہ دوسرے صاحب لوگ تو ہڈیوں سے گودا بھی نکال لیتے ہیں، حمزہ صاحب کے لیے تو جی دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"گھر میں مہمانوں کا آنا جانا تو ہوتا ہوگا؟" اس نے سوال کیا۔

"میجر زاہد کی بیٹی آتی ہیں اکثر اور کرنل صابر کے گھر والے بھی مگر صاحب کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا کہ مہمانوں کو دیکھیں، اب تو آپ ہیں تو مہمان بھی آئیں گے۔"

"میجر زاہد کون ہیں، ان کی بیٹی کیوں آتی تھی؟" اس کے کان بیٹی کے نام پر کھڑے ہوئے۔

"کرنل صابر کے گھر والے اور میجر زاہد کی بیٹی کالونی میں ہی رہتی ہیں، بڑے زندہ دل ہیں اور بڑے دل والے بھی...... میجر صاحب سے ان کی اچھی بات چیت ہے۔" بیٹ مین نے سادگی سے بتایا۔

"ان کے گھر میں اور کون کون ہے؟" اس نے تفتیش شروع کر دی۔

"بس ان کے والد، ان کی والدہ اور وہ، ایک بھائی ہیں وہ ایئر فورس میں ہوتے ہیں۔"

"نام کیا ہے اس کا؟" اس نے بظاہر عام سے لہجے میں پوچھا۔

"معصومہ۔"

"اچھا کیا بہت آنا جانا ہے اور اس کے گھر والے بھی آتے ہیں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"جی بیگم صاحبہ، معصومہ میم کی تو بڑی اچھی دوستی ہے میجر صاحب سے بلکہ ان کے گھر والے تو میجر صاحب سے رشتہ طے کرنا چاہتے تھے ان کا مگر ان ہی دنوں میجر صاحب کا رشتہ آپ سے طے ہو گیا، میجر صاحب کی شادی کے بعد معصومہ میم گھر پر نہیں آئیں۔ جوڑے تو جی آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہمارے میجر صاحب کی قسمت میں آپ تھیں۔" وہ باتونی ہونے کے ساتھ ساتھ احمق بھی تھا۔ اس لیے جو باتیں نہیں کرنی تھیں وہ بھی کہہ گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ آف موڈ کے ساتھ بولی۔

"سنو...... تمہارا نام کیا ہے؟" اسے خیال آیا کہ اس کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔

"خیر دین...... بیگم صاحبہ خیر دین نام ہے میرا۔" اس نے بتایا۔

"اچھا خیر دین، میں کچھ دیر ریسٹ کرنا چاہتی ہوں آدھ گھنٹے بعد ایک کپ چائے میرے لیے بھجوا دینا۔" اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ خیر دین کے جانے کے بعد اس نے اٹیچی کیس اٹھا کر ڈریسنگ میں رکھا اور وارڈ روب کھول کر اپنے کپڑوں کے لیے جگہ بنانے لگی۔

"اس میں میرے کپڑے کیسے آئیں گے؟ بیڈ روم بدلنا پڑے گا یا کچھ اور سوچنا پڑے گا، خیر...... ابھی تو آرام کروں بعد میں دیکھوں گی۔" اس نے دوپٹا اتار کر پھینکا اور کمبل لے کر گہری نیند سو گئی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، دن کو بھی آرام نہ ملا تھا، اس کی نیند اتنی گہری تھی کہ حمزہ کی آمد کا پتا ہی نہ چلا۔ بٹلر بے چارہ چائے لے کر آیا تو حمزہ نے اسے منع کر دیا کہ سپنا تو سو رہی تھی اور اس کا خود چائے پینے کا خاص موڈ نہیں تھا، اس

2

نے بے خبر سوئی ہوئی سپنا پر ایک نظر ڈالی دوسروں کی نیندیں حرام کرنے والی خود کس قدر سکون سے سو رہی ہے، اس نے سوچا اور چینج کرنے کی نیت سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

❁……❁……❁……❁

اونچے نیچے راستے تھے، کہیں پگڈنڈیاں تھیں تو کہیں پتھریلی شاہراہ……اس کے پیروں میں اونچی ہیل والے فینسی چپل تھی اور وہ دلہن کے لباس میں تھی، چاروں طرف اندھیرا تھا مگر اسی قدر کہ اسے راستہ دکھائی دے رہا تھا، وہ خوف زدہ اور سہمی ہوئی تھی اور اسے آوازیں دے رہی تھی مگر وہ نہ جانے کہاں تھا، وہ بس بھاگ رہی تھی اور بالآخر وہ اسے نظر آ ہی گیا، اس کی پشت تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیدھی سمت جا رہا تھا۔

”حمزہ……رکیں۔“ وہ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگی اونچی ہیل کی وجہ سے بری طرح گری……اس کے گھٹنے اور کہنیاں چھل گئی تھیں۔

”حمزہ……رکیں۔“ وہ پوری قوت سے چلائی، اس بار وہ رک گیا تھا مگر پلٹا نہیں تھا، اس نے جوتوں کی قید سے پاؤں کو آزاد کیا اور تیزی سے اس کے پاس پہنچی، زخموں اور چوٹوں کی پروا کیے بغیر۔

”میں کب سے آپ کو بلا رہی ہوں، دیکھیں میرے پیر چھلنی ہو گئے ہیں، مجھے چوٹ لگی ہے، آپ میری آواز سن کیوں نہیں رہے تھے۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی، اسی پل حمزہ مڑا اور اس کی چیخ نکل گئی، وہاں حمزہ نہیں تھا، وہاں تو وہ تھا۔

❁……❁……❁……❁

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تھی، پورا وجود پسینے سے بھیگ رہا تھا، دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا گویا ابھی پسلیوں کو توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اس نے خواب کی کیفیت میں خوف میں ڈوبی آنکھوں سے اپنے اطراف پر نظر ڈالی، پورا کمرہ زرد رنگ کی مدہم روشنی کی لپیٹ میں تھا، اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ حمزہ کو نیند سے بیدار کر چکی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آن کیا اور تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”سپنا……کیا ہوا؟“ اس نے نرمی سے اس کا شانہ ہلایا، سپنا نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ تو وہی تھا، اس کا حمزہ ”وہ“ کہیں نہیں تھا……وہ رو رہی تھی اور ہولے ہولے کانپ بھی رہی تھی۔

”سپنا ایزی……آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے شاید؟ ڈر گئی تھیں۔“ وہ نرمی سے دوستانہ لہجے میں کہتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سپنا نے اس کی طرف دیکھا، یہ وہ کٹھور، سنگدل، لاپروا حمزہ نہیں تھا جو اس کا جی شادی کی پہلی رات سے جلا رہا تھا۔ وہ بڑا متفکر سا اس کو دیکھتا ہوا اس کے بے حد قریب اسے اپنائیت کا احساس دلاتا ہوا اس کا شوہر تھا۔ حمزہ کسی ہمدرد انسان کی طرح اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔ اس کے طرز عمل میں صرف ہمدردی تھی محبت نہیں۔

”اٹس اوکے……آپ پانی پی لیں۔“ اس نے میز پر رکھے جگ میں سے پانی نکال کر گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ وہ سر شام سو گئی تھی اور اتنی گہری نیند کہ رات کے کھانے کے لیے بھی نہ اٹھی تھی، حمزہ نے بھی اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا……وہ خود اپنے معمولات نمٹا کر کھانا کھا کر سو گیا تھا اور اب اس کے چلانے سے جاگا تھا، سپنا نے گلاس کانپتے ہاتھوں سے لے کر خشک ہوتے لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پی گئی، حمزہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا، اس نے اپنا ہاتھ سپنا کے شانے سے ہٹا لیا تھا۔ سپنا نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

”آپ سو جائیں۔“ اس نے سپنا سے کہا مگر وہ ہنوز اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمزہ نے گلاس میز پر رکھا تو اسے ہنوز اسی ہی کیفیت میں دیکھ کر ٹھٹکا۔

”آپ کھانا کھائے بغیر سو گئی تھیں، کچھ کھا لیں ورنہ دودھ لا دیتا ہوں پی لیں۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ شاید خواب کی کیفیت سے چھٹکارا دلانے کی خاطر اس کا ذہن بٹانا چاہ رہا تھا۔

”نہیں……مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔“ اس نے خوف زدہ ہو کر حمزہ کا بازو پکڑ لیا۔ بڑا بے ساختہ عمل تھا، اس کی نرم و نازک گرفت میں حمزہ کا صحت مند بازو تھا، خوابناک ماحول، مقدس سی جائز قربت، شرعی ساتھی ہونے کا احساس، حسن بے پروا پر قانونی استحقاق کا احساس……مرد ہی تو تھا، ایک بار پھر دل پگھلنے لگا تھا، دل نے کہا چھوڑ دو ضد مگر دماغ آڑے آ گیا، اب کمزور پڑے تو ساری ریاضت غارت

ہوجائے گی اس نے خود کو سنبھالا۔

”کم آن سپنا..... آپ بچی نہیں ہیں۔“ وہ اٹھ کر چلا گیا سپنا نے آنکھیں موندلیں اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی، حمزہ کی چند لمحوں کی قربت و نرمی نے اس کے خوف کی شدت کو بہت حد تک کم کردیا تھا مگر خواب کا اثر اب بھی موجود تھا۔ وہ حیران تھی کہ خواب میں وہ کیوں نظر آیا تھا؟ وہ مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی بالآخر جھنجلا کر اٹھی اور سر جھٹکتے ہوئے باتھ روم میں چلی گئی۔ جس وقت وہ واش روم سے نکلی اسی پل حمزہ ٹرے اٹھائے آیا۔

”ارے آپ نے زحمت کیوں کی؟“ وہ شرمندہ کم مگر خوش زیادہ تھی۔ (جتنی کٹھور بننے کی ایکٹنگ کرتی ہیں اتنے ہیں نہیں) اس نے تولیے کو کرسی پر رکھا، حمزہ نے ٹرے میز پر رکھی اور ایک نظر تولیے اور دوسری اس پر ڈالی۔

”ٹاول کی صحیح جگہ اسٹینڈ ہوتا ہے۔“ اس نے گویا جتایا۔ وہ کچھ شرمندہ سی ٹاول اٹھانے کے لیے جھکی۔

”سوری۔“ تولیہ واپس واش روم کے اسٹینڈ پر ڈال کر آئی تو حمزہ آستین فولڈ کررہا تھا۔

”کھانا کھالیں۔“

”آپ نے کیوں تکلیف کی، میں خود گرم کرلیتی۔“ اس نے کہا۔

”میں تو ملازموں کو بھی بلاوجہ تکلیف نہیں دیتا، آپ سے تو نکاح کا رشتہ ہے، البتہ کھانے کے بعد برتن ضرور کچن میں رکھ آیئے گا۔“ اس نے کہتے ہوئے واش روم کا رخ کیا۔ سپنا کھانا کھانے لگی۔ فرائیڈ رائس اور چاؤمن بہت اچھا پکا ہوا تھا۔ اس نے بھوکے پیٹ کو بھرا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

”آپ نے نماز نہیں پڑھی ابھی تک؟“ اس نے حمزہ کو جائے نماز بچھاتے دیکھ کر سوال کیا۔ گھڑی کے حساب سے تو رات گزر ہی چکی تھی اور فجر قریب تھی۔

”تہجد کی ادا کررہا ہوں۔“ اس نے کہہ کر نیت باندھ لی۔

”تہجد بھی ادا کرتے ہیں، کوئی خوبی چھوڑی بھی ہے؟“ اس نے محبت سے اس کی پشت کو دیکھا، دل اس طرح اس کی طرف کھنچا کہ خود بخود وضو کرکے اس کے پیچھے دوسرا مصلہ بچھا کر تہجد کی ادائیگی کرنے لگی، ایسا اس نے زندگی میں پہلی بار کیا تھا۔ حمزہ نے نوافل کی ادائیگی کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیے۔ وہ تو نجانے کیا مانگ رہا تھا مگر سپنا نے اللہ سے حمزہ مانگ لیا تھا۔ نوافل کے بعد دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ برتن کچن میں رکھ آئی تھی۔ دل خود بخود حمزہ کی بات ماننے کو چاہنے لگا تھا۔

”آپ سے ایک بات پوچھوں؟“ اس نے اپنے حصے کی نیند پوری کرلی تھی۔ حمزہ کو بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ دونوں بیڈ پر فاصلے سے بیٹھے تھے۔

”ہوں.....“ اس نے ٹانگیں پھیلائیں اور دونوں بازو سر کے پیچھے رکھ کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

”آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟“ اس نے پوچھا، یہ سوال وہ پہلے بھی کرچکی تھی، حمزہ چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے سپنا کو اشارے سے اس کے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ وہ جھجکتی ہوئی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

”تم نے کبھی مجھ سے میرے چھوٹے بھائی کے بارے میں نہیں پوچھا۔“ وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا اسے یہ بے تکلفی پسند آئی تھی۔

”کبھی کوئی موضوع ہی نہیں نکلا اور پھر آپ نے میرے ساتھ وقت ہی کتنا بیتایا ہے کہ کچھ بات چیت ہوسکتی۔“ اس نے شکوہ کیا۔

”تمہارے ساتھ یونیورسٹی میں ایک لڑکا پڑھتا تھا، شمس..... یاد ہے؟“ حمزہ نے تمہید باندھی۔

”ہاں..... کیوں آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”بھائی ہے شمس ندیم..... ہم لوگ اسے گھر میں ندیم کہتے ہیں۔“ حمزہ نے اس پر بم پھینکا۔ خواب کی تعبیر اب پوری طرح اس پر عیاں ہوگئی تھی۔ پیچھے سے وہ حمزہ تھا مگر آگے سے شمس..... وہ منہ کھولے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

”آ..... آپ کا چھ..... بھائی۔“ وہ ہکلائی۔

”ہاں..... اس نے یونیورسٹی چھوڑ دی تھی صرف تمہاری وجہ سے۔“ حمزہ نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

”مم..... مم.....“ وہ منمنائی۔

”سپنا تم ایک خود پسند اور مغرور لڑکی ہو مگر میرے نزدیک تم ذہنی مریضہ ہو، ہاں خود پسندی اور غرور بھی ذہنی امراض وخناس کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ تم کو اپنے حسن پر ضرورت سے زیادہ ہی ناز تھا، شمس مجھ سے اکثر تمہاری باتیں کرتا تھا کیونکہ ہم دونوں صرف بھائی ہی نہیں اچھے دوست بھی ہیں۔“

اس نے کہنا شروع کیا۔

"شمس کہتا تھا کہ سپنا مجھے بہت قابل رحم لگتی ہے، اس کی محبت غلط ہے وہ بھٹکی ہوئی ہے، اس کو مددگار ہاتھ کی ضرورت ہے جو اسے تراش کر خوب صورت ہیرا بنا سکیں...... وہ کہتا تھا کہ کاش سپنا میری بہن ہوتی۔" حمزہ کے الفاظ اس پر تو کیلے پتھر بن کر برسے اور آخری جملے نے تو اس کی ہستی ہلا کر رکھ دی تھی۔

"بہن......" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں...... وہ تمہیں نیناں کی طرح سمجھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ کاش میں سپنا کو اس خود پسندی اور غرور کے پھندے سے آزاد کر کے ایک معتبر سوچ دے سکوں۔ وہ تم پر لائن نہیں مارتا تھا سپنا، وہ تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا مگر تمہارے دماغ میں بھی عام لڑکیوں کی طرح خناس بھرا ہوا تھا کہ تم سے زیادہ حسین کوئی نہیں اور جو لڑکا تمہیں دیکھتا ہے تمہارے ظاہری حسن پر فدا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ ربش۔" وہ سخت طیش میں تھا۔ سپنا سانس روکے اسے سن رہی تھی، پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس روز شمس تم سے بات کرنا چاہتا تھا، وہ تمہیں سمجھانا چاہتا تھا مگر میرا بھائی معصوم تھا، تم نے اس کا مذاق اڑایا اور اڑوایا بھی...... ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں سب لوگوں میں اس کا تماشہ بن گیا تھا، ہمارے پیرنٹس اور اسپیشلی ہماری ممی نے ہماری تربیت عام گھرانوں سے ہٹ کر کی ہے، ہماری ممی بہت خاص ہیں، انہوں نے ہمیں دوسروں کی مدد کرنا اور محبت کرنا سکھایا ہے اور دوسروں پر رحم کرنا بھی سکھایا ہے مگر 'فلرٹ' کرنا نہیں سکھایا...... نہ ہی ہمیں یہ درس دیا کہ ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں سے 'عشق معاشقے' کی پینگیں بڑھائیں نہ یہ سکھایا کہ کسی بھی لڑکی کو چاہے وہ خوب صورت ہو یا بدصورت اسے 'لڑکی' نہیں انسان سمجھو اور انسان سمجھ کر اس کی عزت کرو مگر تم نے کسی انسان کی عزت کرنا تو درکنار اسے انسان سمجھنا بھی گوارا نہ کیا۔" حمزہ کی آواز دھیمی تھی مگر انداز میں ایسا غیض و غضب تھا کہ اسے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"ندیم ہمیشہ مجھ سے ذکر کرتا تھا کہ سپنا کو حسین چہرے پسند ہیں مگر اس کی پسند سطحی ہے وہ مجھ سے کہتا تھا کہ بھائی میرا دل چاہتا ہے آپ سپنا سے شادی کر لیں، اس کے لیے آپ پرفیکٹ ہیں۔" حمزہ کی اس بات نے انکشاف کا ایک نیا در کھول دیا تھا۔ وہ چونکی۔ جھکی ہوئی آنکھیں اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"مجھے اپنے بھائی کی باتیں بچکانہ لگتی تھیں...... جس روز تم نے اس کا تماشہ بنایا تھا اس روز وہ تمہیں 'کھو' نہیں رہا تھا بلکہ وہ کئی دنوں کی ذہنی کشمکش کے بعد اپنے اندر ہمت پیدا کر کے تم سے میرے متعلق بات کرنے کے ارادے سے تمہارے پاس آنا چاہتا تھا...... اس نے تمہاری سہیلیوں کے ساتھ تمہاری باتیں سن لی تھیں کہ تم حمزہ نام کے کسی خیالی شہزادے سے شادی کرنا چاہتی ہو اور وہ تمہیں میری تصویر دکھا کر میرا نام بتا کر تمہیں حیران کر دینا چاہتا تھا مگر تم......" حمزہ نے نفرت سے اسے دیکھا۔

"تمہاری نظر میں حسن کا معیار یہ ہے ناں کہ گورا رنگ ہو، خوب صورت نین نقش ہوں، پرکشش جسم ہو۔" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔ سپنا کی آنکھیں پہلے ہی جھکی ہوئی تھیں اب اس کی گردن بھی جھک گئی تھی۔

"مگر میری نظر میں یہ حسن نہیں ہے۔" اس نے کچھ دیر ٹھہر کر کہا۔

"ندیم نے یونیورسٹی چھوڑ دی اور وجہ صرف مجھے بتائی...... میں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ مانا ہی نہیں اور مجبوراً مجھے اسے اسلام آباد یونیورسٹی کے لیے مجبور کرنا پڑا مگر وہ بہت ڈسٹرب تھا، بہت ہرٹ ہوا تھا، میں نے بالآخر اسے سمجھایا اور سمجھا بجھا کر باہر کی یونیورسٹی کے لیے اپلائی کرنے کا کہا اس کا پورا سال ضائع ہو گیا تھا۔ میں ایک روز یونیورسٹی آیا تھا تاکہ سپنا سے مل کر اس کی طبیعت صاف کر دوں مگر جب اتفاقاً ہی میں نے تمہاری اور انیلا کی باتیں سنیں تو مجھے لگا کہ تمہیں سبق سکھانا چاہیے اگر ایسا نہ کیا گیا تو نجانے تم کس کس کا ستیاناس کر دو گی، بہرحال قصہ مختصر یہ کہ میں نے کسی نہ کسی طرح تمہارے گھر کا پتا حاصل کر لیا۔" سپنا چونک کر اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"میں نے سوچا کہ ممی کو تمہارے گھر پرپوزل کے ساتھ بھجواؤں گا مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی...... ندیم کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی، میں اس کی پریشانی میں تم سے بدلہ لینے کا وعدہ بھول چکا تھا مگر ندیم کی طبیعت سنبھلتے ہی میں نے اس سے تمہارا تذکرہ ضرور کیا تھا اور اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ

میں تم سے شادی ضرور کروں گا، باقی میرا اس شادی کے پیچھے مقصد کیا تھا وہ بیچارا یہ نہیں جانتا تھا پھر اسے بھی تم اتفاق ہی کہو یا کچھ اور کہ نایاب کی شادی تمہارے بھائی سے ہوگئی اور مہندی والی رات میں نے تمہیں وہاں دیکھ لیا تھا۔ تمہارے بارے میں معلومات اکٹھی کیں تو پتا چلا کہ تم نایاب کے دلہا کی بہن ہو، قدرت نے میرا کام آسان کردیا تھا اور تم دلہن بن کر میرے گھر آ گئی۔" وہ لمحہ بھر رکا، سپنا کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اس سے کچھ پوچھنے کی۔

"ندیم ہماری شادی سے پہلے ہی فلائی کر گیا تھا کیونکہ اس کا ایڈمیشن ہوچکا تھا، میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ فی الوقت تمہیں پتا چلے کہ ندیم میرا بھائی ہے پھر شادی کی پہلی رات سے آج تک میں نے تمہیں خود سے دور رکھا۔"

"سزا کے طور پر؟" اس نے ہمت کر کے حمزہ کا ادھورا جملہ پورا کردیا۔

"ہاں...... مگر تمہارے لیے یہ سزا کم ہے سپنا، دوسروں کی شکلوں کا مذاق اڑانے والی لڑکی کی اپنی زندگی مذاق بن جائے...... یہی اس کی سزا ہے۔" وہ سفاکی سے بولا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں حمزہ...... آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں، مجھے معاف کردیں۔" اس نے حمزہ کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"تم خود سے پوچھو کہ کیا تم اتنی آسان معافی کی مستحق ہو؟" حمزہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں؟ بتائیں میں شمس سے معافی مانگ لوں گی۔" اس نے بے قراری سے کہا۔

"تم جانتی ہو سپنا، میں نے اتنا اسٹیبلش ہونے کے بعد بھی شادی کیوں نہیں کی؟" اس نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں؟" اس نے خوف زدہ سا ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ میں کسی عورت کو ماں بننے کا سکھ نہیں دے سکتا۔" اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"کیا......؟" کوئی پہاڑ تھا جو اس پر آن گرا تھا۔

"ہاں...... اور یہی تمہاری سزا ہے۔" وہ کسی سفاک جلاد کی طرح لگ رہا تھا، سپنا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے بچے بہت پسند تھے، یا وہ ماں بننے کے لیے مری جارہی تھی مگر یہ احساس تو ہر لڑکی میں ہی نکاح کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ماں بننا ہے، اس کی دنیا کو اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے نے پورا کرنا ہے۔ حمزہ نے اس سے ایسا انتقام لیا تھا۔

"کیا میرا جرم اتنا بڑا تھا؟" اس کی آواز دور کسی کنوئیں سے آئی۔

"سزا تمہارے کارنامہ کے مقابلہ میں کم ہے سپنا بیگم۔" وہ سفاک اور بے رحم لہجے میں بولا تھا یا اس کے لیے بن گیا تھا۔ پہلی بار سپنا کو اس کے خوب صورت چہرے سے گھن آئی تھی، پہلی بار اسے مظفر کے رشتے پر حمزہ کے رشتے کو فوقیت دینے پر شرم محسوس ہو رہی تھی، پہلی بار وہ پچھتا رہی تھی۔ اپنی سطحی سوچ اور غلط باتوں پر...... اسے انیلا کی باتیں شدت سے یاد آرہی تھیں...... وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اس نے کس کس کا دل اپنی جاہلانہ باتوں سے دکھایا ہوگا۔ آج اس کی آنکھوں سے پچھتاوے کے آنسو نکل رہے تھے آج وہ خوب صورتی اور بدصورتی کے فرق کو سمجھ پائی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھا ہوا وہ بظاہر شخص "ادھورا" تھا اور اسے بھی "ادھورا" ہی رکھنا چاہتا تھا۔

"اب تم بھی شمس اور دوسرے لوگوں کی طرح، جنہیں تم نے اپنی باتوں کے خنجر سے لہولہان کیا تھا، ادھورے پن اور بدصورتی کے احساس کے ساتھ جیو گی۔ اب وہ سب اور تم ایک سے احساس کے ساتھ زندگی گزارو گے بلکہ شاید وہ سب کہیں نہ کہیں اس احساس سے باہر آ ہی جائیں جس احساس ذلت سے تم نے انہیں دوچار کیا تھا مگر تم...... تم کیسے اس احساس کے پنجے سے نکلو گی سپنا، جس میں آج تم جکڑی گئی ہو۔" وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ سے شعلے نکل رہے تھے، سپنا نے چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ حمزہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"آج میرے لفظوں کے تیر خود مجھے ہی چھلنی کررہے ہیں، کل تک میں لوگوں کا مذاق اڑاتی رہی اور آج خود میری ہی زندگی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے...... کاش میں کسی کا مذاق اڑانے سے پہلے یہ سوچ لیتی کہ میرے لفظ اس کی سوچ، اس کی زندگی، اس کی پوری شخصیت پر کیا اثرات مرتب کریں گے۔ میں اور مجھ جیسے کتنے ہی عقل کے اندھے، پڑھے لکھے جاہل اپنی باتوں کے نشتر سے دوسروں کو زخمی کردیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا مذاق کسی کی پوری زندگی بدل سکتا ہے۔" وہ حمزہ کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو رہی تھی...... حمزہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا، وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اپنے

سیاہ بالوں میں پھنسائے نہ جانے کیا سوچ رہا تھا...... جب وہ اچانک آ کر اس کے پیروں میں بیٹھ گئی تھی اور روتے ہوئے اس کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا تھا، حمزہ اب بھی چپ تھا۔

”حمزہ مجھے میرے کیے کی سزا اللہ نے دی ہے، میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ میں نے اللہ کی سب سے پیاری مخلوق جسے اس نے اشرف المخلوقات کا رتبہ دیا، اس کا مذاق اڑایا، میں یہ کبھی نہیں سوچتی تھی کہ جن کے رنگوں اور شکلوں کا میں مذاق اڑا رہی ہوں وہ اللہ کے پیارے بندے ہو سکتے ہیں، نہ بھی ہوں تب بھی اللہ کے بندے تو ہیں اور پھر میں بحیثیت مسلمان یہ کیسے بھول گئی کہ جب ہمارے آقائے دو جہاں ﷺ نے رنگ و نسل میں امتیاز نہیں کیا تو میری کیا حیثیت کہ میں کسی میں امتیاز کرنے بیٹھ جاؤں میں نے تو جہالت کی انتہا کر دی تھی۔“ وہ اپنے کیے اور سوچ پر شرمندہ تھی۔ حمزہ نے نرمی سے ہاتھ بڑھا کر اسے شانوں سے تھاما اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا مگر اس نے اس کے آنسو نہیں پونچھے تھے۔

”حمزہ...... مجھے شمس سے معافی مانگنی ہے، مجھے اپنے گناہوں پر اپنے رب سے معافی مانگنی ہے۔ کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟“ وہ بھولپن سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”اللہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے...... جب وہ غلطیوں اور گناہوں کے اعتراف میں معافی کی توفیق دیتا ہے تو یقیناً معاف بھی کرتا ہے۔“ حمزہ نے آہستگی سے کہا۔

”اللہ کی رحمت ہمارے گناہوں، ہماری معافی، ہماری توقع اور ہماری امیدوں سے بہت بڑی ہے۔ اس سے جیسی توقع رکھو ویسا ہی ملتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ مانگنے میں گہرائی اور خلوص ہو۔ کھوٹا تو سکہ بھی نہیں چلتا پھر نیت کے کھوٹ اور سوچ میں تنگی لے کر اللہ کی طرف قدم بڑھایا جائے تو پھر وہ تو سب جانتا ہے، ایسی توبہ کیسے قبول ہو گی بھلا؟“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”میں شرمندہ ہوں، کیا یہ بات اللہ کے لیے کافی نہیں؟“ اس نے آنسو پونچھے۔

”وہ اللہ ہے، اس نے ہمیں تخلیق کیا ہے جو شرمندہ ہو، جس قدر ہو اور پھر معافی کا طلب گار بھی ہو تو اللہ سے کیا چھپا ہوا ہے...... یہ تمہارا اور اللہ کا معاملہ ہے، اس سے مانگو تو وہ کیوں عطا نہیں کرے گا۔“

”مجھے کیسے پتا چلے گا کہ اس نے مجھے معاف کر دیا ہے؟“ اس نے سوال کیا۔

”تمہارا دل گواہی دے گا کہ تمہارے رب نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔“ حمزہ نے جواب دیا۔

”مجھے شمس اور مظفر بھائی سے معافی مانگنی ہے۔ ان کے بغیر تو اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا کیونکہ میں نے اللہ کا نہیں اس کے بندوں کا دل دکھایا ہے، میں اپنی نظروں میں خود گر چکی ہوں۔“ اس نے پھر سے رونا شروع کر دیا۔

”جب آپ نے مجھے اپنی حقیقت بتائی تب مجھے آپ سے گھن آ رہی تھی کہ آپ نے محض انتقام کی بھینٹ چڑھانے کو میری زندگی داؤ پر لگا دی مگر جب آپ کے کمرے سے جانے کے بعد میں نے تنہائی میں سوچا تب مجھے احساس ہوا کہ غلطی میری تھی...... قصور میرا تھا اور آپ کی بدولت مجھے سزا ملی یعنی وجہ آپ بنے تو آپ کیوں غصہ ہوں؟ جبکہ مجھے میرے کیے کی سزا ملی، آج زندگی میں پہلی بار میں نے اپنے آپ کو غلط سمجھ کر خود کو ملامت کیا ہے۔“ وہ جھکے ہوئے سر سے اعتراف کر رہی تھی۔ حمزہ کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ رینگی مگر سپنا کا سر جھکا ہوا تھا اس لیے اس کی مسکراہٹ نہ دیکھ سکی۔

”اچھا تو تم مانتی ہو کہ غلطی تم سے ہوئی؟“ حمزہ نے سنجیدہ چہرہ بناتے ہوئے پوچھا تو اس نے سر زور سے ہلایا۔

”تو ٹھیک ہے، کل ندیم گھر آ رہا ہے، اس سے معافی مانگ لینا اور مظفر کے گھر تو ہم انوائیٹڈ ہیں ہی...... تم اس سے بھی معافی مانگ لینا۔“

”کل شمس آ رہا ہے؟“ وہ چونکی۔

”ہاں یہیں آئے گا وہ، رات کی فلائیٹ ہے، چھٹیوں پر آ رہا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”اب آرام کر لیں صبح ہونے میں بہت وقت پڑا ہے۔“ اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، سپنا بھی اس کی تقلید میں کھڑی ہو گئی۔

* * *

صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر وہ کتنی بدل گئی تھی۔ حمزہ یونیفارم پر پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ تیکھی نظریں لیے وہ اس کے لیے کافی بنا رہی تھی۔

”کافی بنانا سیکھ لی آپ نے؟“ پرفیوم کی شیشی ڈریسنگ

پر رکھتے ہوئے جیسے اس نے چھیڑا تھا۔

"تم سے پھر آپ پر آ گئے...... آپ کے منہ سے تم اچھا لگتا ہے۔ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔" اس نے بغیر سر اٹھائے کہا۔

"مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔" خاصی خوشگواری سے اس کو دیکھ کر وہ بولا۔ ڈریسنگ مرر میں اس کا عکس واضح تھا۔ نیوی بلیو سلک کے سادہ مگر خوب صورت کرتے پانجامے میں کھلے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ رکھا تھا۔ رات رونے دھونے نے اس کے چہرے اور آنکھوں کو بے حد نکھار دیا تھا۔

"جی...... وہ تو اسی روز بٹلر سے سیکھ لی تھی جب آپ نے میری چوری پکڑی تھی۔" اس نے بچوں جیسے انداز میں جواب دیا تو حمزہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے بالکل صبح کا وقت بہت پسند ہے۔ خاص طور پر جب رات کھل کر بارش ہوئی ہو...... جانتی ہیں کیوں؟" وہ مڑا اور گھوم کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"کیوں؟" اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کیونکہ ہر شے نکھری نکھری سی، دھلی دھلائی لگتی ہے۔ بالکل آپ کی طرح۔" اس نے جھک کر سپنا کے ہاتھ سے مگ لیا اور آخری جملہ سرگوشی میں بولا۔ سپنا نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا اتنا کہ اس کی سانسوں کی گرمی سپنا کے چہرے کو جھلسا رہی تھی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار کانپا اور گرم گرم کافی اس کے نازک سے ہاتھ پر چھلک گئی۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی۔

"او گاڈ...... لائیں دکھائیں۔" حمزہ نے اپنا مگ ٹرے میں رکھا اور پھر اس کے ہاتھ سے مگ لے کر وہ بھی ٹرے میں رکھ دیا اور اپنے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ دودھیا جلد سرخ ہو رہی تھی۔

"چلیں جلدی سے توتھ پیسٹ لگا لیں اس پر کہیں چھالہ نہ بن جائے۔" توتھ پیسٹ لگانے سے جلن کم ہو گئی تھی مگر تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔

"کم آن...... ایک تو یہ آنسو ہمہ وقت بہنے کو تیار رہتے ہیں۔" حمزہ نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے رخسار صاف کیے پھر اسے کرسی پر بٹھایا اور خود سنگھار میز کی نچلی دراز کھول کر اس میں سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا۔

"ہاتھ سیدھا کریں۔" اس نے ٹیوب نکالتے ہوئے کہا۔ سپنا کو تکلیف ہو رہی تھی مگر حمزہ کی توجہ اور خیال رکھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اس پل حمزہ کی قربت اسے رات کی باتیں بھی بھلائے ہوئے تھیں، اس کے ہاتھ کا لمس اسے ایک ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ حمزہ اسے کریم لگانے میں مصروف تھا مگر اس کی نگاہوں کی گرمی واضح اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ یونیفارم میں وہ اور بھی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں دکھ سے سپنا کا دل بھر آیا۔ کتنی عجیب بات تھی اپنی زندگی میں کچھ کرب، غم جیسے لفظوں کو جگہ نہ دینے والی کے حصے میں کتنا بڑا دکھ آ گیا تھا۔

"کاش تم ادھورے نہ ہوتے تو کتنے حسین ہوتے مگر مجھے سزا دینے کی خاطر قدرت نے تمہیں ادھورا بنایا...... میں جب جب تمہیں دیکھوں گی تب تب تمہارے ادھورے ہونے کا خیال مجھے تڑپائے گا، ستائے گا کیونکہ تمہارا ادھوراپن میری ذات کو مکمل نہیں کر سکے گا۔" وہ سوچ رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" اس نے اچانک سر اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں......" وہ گڑبڑائی۔

"شام کو تیار رہیے گا۔" اس نے کہا۔

"جی......"

"خالی ہاتھ آپ کی بہن اور بہنوئی کے گھر جانا اچھا نہیں لگے گا، آپ کو تو یہاں کی مارکیٹوں کا بھی علم نہیں...... چلیے ایسا کرتا ہوں کہ میں کسی کو بھجوا دیتا ہوں تاکہ آپ کو اچھی کمپنی اور گائیڈنس ملے...... آپ مظفر اور ثمینہ کے لیے کچھ گفٹس لے لیجیے گا۔ میرے پاس تو بالکل ٹائم نہیں، یہ تو آپ خواتین کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔" وہ ہاتھ دھو کر نکلا اور تولیے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے عجلت میں گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ ساڑھے بارہ بجے تک تیار رہیے گا یہاں مارکیٹیں تو دیر سے کھلتی ہیں مگر راستے لمبے ہیں، ٹریفک وغیرہ بھی ہوتا ہے تو ٹائم لگ جائے گا۔ اوکے آئم گیٹنگ لیٹ...... اللہ حافظ۔" وہ جلدی سے باہر نکل گیا تو وہ بھی بدحواسی سے پیچھے بھاگی۔

"کیا ہوا؟" حمزہ ٹھٹکا۔

"کک کچھ نہیں...... وہ آپ کو گاڑی تک چھوڑنے۔" وہ جھجک کر بولتے ہوئے رکی۔

''اوہ تھینکس اچھی بیویوں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔'' وہ قدرے شوخی سے بولا اور آگے بڑھ گیا...... پورچ میں گاڑی بمعہ ڈرائیور کھڑی تھی۔ وہ جھجک کر وہیں دروازے پر رک گئی۔ حمزہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے الٹے ہاتھ کی انگلیاں ہلا کر اسے الوداع کہا تو وہ بس مسکرا ہی سکی۔ حمزہ کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آ گئی۔ خیر دین کاموں میں مصروف تھا، اس نے اسے بلا کر مختلف ہدایات دیں، سب سے پہلے تو اس کو اپنے کپڑے اور دوسرے سامان و اشیا کو ٹھکانے لگانا تھا، وہ خیر دین کی مدد سے جلدی جلدی کام نپٹا رہی تھی، کاموں میں وقت کا دھیان ہی نہ رہا...... اسی پل فون کی گھنٹی بجی وہ قریب کھڑی تھی، ریسیور اٹھالیا دوسری طرف حمزہ تھا۔

''جلدی میں مجھے یہ تو خیال ہی نہیں رہا کہ آپ کو رقم درکار ہوگی۔'' اس کی بات پر سپنا کو بھی ہوش آیا کہ پیسے تو اس نے شاپنگ کے دیے ہی نہیں تھے۔

''میں پیون کو کچھ رقم دے کر بھیج رہا ہوں، اگر زیادہ چاہیے ہوں تو مجھے کال بیک کر کے بتادیں۔'' اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

''بیگم صاحبہ...... سر نے پیون کو بھیجا ہے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' خیر دین نے آ کر اسے اطلاع دی۔

''او...... ہاں بھیجو اور بٹلر سے کہو کہ میرے لیے کچھ ہلکا پھلکا کھانے کو لے آئے۔ حمزہ بھی بغیر ناشتہ کیے چلے گئے۔'' آخری جملہ وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''جی۔'' خیر دین لاؤنج سے نکل گیا، پیون نے اندر آ کر اسے لفافہ پکڑا دیا جو سیل تھا، اس نے رقم گنی اچھی خاصی تھی، اس نے پیون کو ایک پرچہ لکھ کر دیا اور حمزہ کو دینے کے لیے کہا...... پھر خود مطمئن سی ہو کر کمرے میں آ گئی اور کپڑے دیکھنے لگی۔ ثمینہ کے گھر جانے کے لیے اس نے اپنے اور حمزہ کے کپڑے منتخب کیے، حمزہ کے کپڑے سلیکٹ کرتے وقت وہ خاصی محتاط تھی۔ پچھلی بار کی بے عزتی یاد تھی اسے، اس بار کپڑوں کے انتخاب میں اس نے خاصا سر مارا تھا پھر خود نہانے کے لیے چلی گئی تھی۔

وہ فریش ہو کر کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی بال سلجھا رہی تھی، خیر دین کچھ دیر قبل اسے جوس کے گلاس سمیت دو بوائلڈ ایگ دے گیا تھا، اس نے آرام سے ناشتہ کیا اور بال بناتے ہوئے حمزہ کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ اتنا صاف گو ہے کہ اس نے اپنی اتنی بڑی کمزوری کا برملا اظہار کر دیا تھا۔

''تم میرا نصیب ہو حمزہ...... مجھے پتا نہیں کہ میں اتنی شاکر اور صابر کیسے ہو گئی کہ تمہیں تمہاری کمزوری سمیت قبول کر لیا یا پھر شاید میں نے یہ مان لیا ہے کہ تم میرے گناہوں کی سزا کے طور پر مجھے ملے ہو بمعہ اس کمزوری کے کیونکہ سوائے اس ایک خامی کے تمہارے اندر کوئی اور خامی بھی تو نہیں یا پھر یہ کہ جب پہلی بار میں نے تمہاری تصویر دیکھی تھی تو تب سے ہی مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی اور اب یہ جان لینے کے بعد بھی کہ تم مجھے ماں بننے کا سکھ نہیں دے سکتے، میں تمہیں چھوڑ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی...... تم جیسے بھی ہو، مجھے قبول ہو۔'' وہ گہری سوچ سے تب باہر نکلی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''یس۔'' اس نے برش نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ معصومہ میڈم آئی ہیں کہہ رہی ہیں کہ آپ کو ان کے ساتھ باہر جانا ہے۔'' خیر دین نے اطلاع دی۔

''معصومہ؟'' اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میجر زاہد کی بیٹی۔''

''اوہ......'' اسے یاد آ گیا۔ ''آپ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھائیں، چائے وغیرہ دو میں آتی ہوں۔'' اس نے کہا معصومہ کے نام سے اسے عجیب سی جیلسی محسوس ہونے لگی تھی۔ خیر دین کی زبانی اسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بھی امیدواروں میں سے تھی۔ اس نے خود کو تنقیدی نظروں سے آئینے میں دیکھا لائٹ پرپل کلر کے کاٹن کے اسٹائلش سوٹ میں کھلے ہوئے بالوں اور ہلکے سے میک اپ سمیت وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ اپنے کپڑوں پر ہلکا سا پرفیوم اسپرے کرنے کے بعد اس نے پرس اٹھایا۔ موبائل اور رقم اس میں رکھی اور سینڈل پہن کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو لمحہ بھر کو ٹھٹکی تھی۔ بلیک ٹراؤزر، سلیولیس ٹی کلر کی کاٹن کی چھوٹی سی کرتی میں ایک لڑکی صوفے پر بیٹھ کر میگزین دیکھ رہی تھی۔ سپنا نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔ سرخی مائل گوری رنگت، اخروٹی رنگ کے بال جو بہت خوب صورتی سے تراشے ہوئے تھے، سن گلاسز اس نے سر پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے خمدار بالوں میں جیسے چشمہ اٹک سا گیا تھا، بہت صحت مند اور خوب صورت جلد جو کہ قدرتی طور پر چمک دار

تھی۔ بہت ہی باریک سی کھڑی ناک تلے پتلے پتلے تراشیدہ لب جن پر نیچرل کلر کی لپ گلو لگی تھی۔ خمار لانبی پلکیں جھکی تھیں۔ موری سی گردن میں اسکارف گھما کر ڈالا ہوا تھا۔ نازک پیروں میں ہائی ہیلز تھے۔ وہ بلاشبہ چلتی پھرتی بندوق تھی جو کسی کا بھی قتل کرسکتی تھی۔ سپنا کو اس کے سامنے اپنا حسن ماند پڑتا محسوس ہورہا تھا۔ وہ بلاشبہ اس سے زیادہ حسین تھی۔ اس سے زیادہ پرکشش تھی۔

”دنیا میں سارا حسن تم پر آ کر نہیں ختم ہوا بھری پڑی ہے دنیا حسین چہروں سے، قلت ہے تو خوب صورت دلوں کی۔“ انیلا کی ناراض سی آواز یاد کی کسی گہرائی سے نکل کر گونجی تھی۔ آہٹ پر چونک کر معصومہ نے گردن اونچی کی...... سپنا کو لگا کہ ماحول میں کہکشاں روشنیاں بکھیرنے لگی ہو۔ لائٹ براؤن آنکھوں پر لانبی خمار گھنی پلکیں، عجب سا جادو جگا رہی تھیں۔ وہ تو معصومہ کا نام سن کر کسی سیدھی سادی عام سی شکل وصورت کی لڑکی کا تصور کیے بیٹھی تھی۔

”اوہ...... ہائے، آئم معصومہ، آپ یقیناً سپنا ہیں؟“ وہ میگزین رکھ کر کھڑی ہوئی اور آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔

”جی...... نائس ٹو میٹ یو۔“ سپنا نے اس کا مرمریں ہاتھ تھاما تو لگا گویا گلاب کی پنکھڑی کو چھولیا ہو۔

”آپ بہت خوب صورت ہیں، اپنی تصویروں سے زیادہ۔“ وہ بے تکلفی سے بولی۔

”تھینکس۔ آپ بیٹھیں، چائے وغیرہ لیں۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”نو تھینکس...... میں چائے بہت کم پیتی ہوں اور اس وقت تو نیور، چلتے ہیں باہر ہی کچھ کھالیں گے۔“ معصومہ نے اپنا امپورٹڈ بیگ اٹھایا، سپنا اس کے پیچھے باہر نکل گئی۔

”میں ڈرائیور کو بلواتی ہوں۔“ سپنا نے پورچ میں کھڑی اس کار کو دیکھا جو حمزہ نے ذاتی استعمال کے لیے خرید رکھی تھی۔ آفیشل کاموں کے بغیر وہ آفس کی گاڑی استعمال نہیں کرتا تھا۔

”میری کار ہے ناں، آجاؤ۔“ سپنا اس کی تقلید میں آگے بڑھی، معصومہ کی سلور مرسڈیز گیٹ کے قریب کھڑی تھی، سپنا اسے دیکھ رہی تھی، بیگ میں سے کار کی چابی نکال کر وہ بڑے اعتماد سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”حمزہ نے کہا تھا کہ آپ یہاں کے لیے بالکل نئی ہیں...... آج تو ٹائم نہیں ہے میں کسی اور دن آپ کو شہر گھمانے لے جاؤں گی۔“ معصومہ نے کار کو بیک کیا پھر ٹرن کر کے روڈ پر بھگانے لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سی ڈی پلیئر آن کیا۔ انگریزی دھن گاڑی کی فضا میں ہلچل مچا رہی تھی۔ معصومہ بہت بولتی تھی، اس نے سپنا کا اچھا خاصا انٹرویو لیا تھا اور اپنے بارے میں بھی تقریباً سبھی کچھ بتا دیا تھا، وہ فارن ریٹرن تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ بے حد خود اعتماد تھی۔ اس کا ایک ہی بھائی تھا جو ایئر فورس میں تھا۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ یہاں رہتی تھی اور تو اور اس نے اپنی اور حمزہ کی دوستی کے قصے بھی نہیں چھپائے تھے۔

”ہم دونوں کی دوستی ایک پارٹی میں ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ سال گزر گئے ہیں ہماری دوستی کو۔“ اس نے بتایا۔

”تو آپ نے حمزہ سے شادی کیوں نہیں کی؟“ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

”میں اور میرے پیرنٹس تو چاہتے تھے مگر حمزہ منع کرتا تھا، کہتا تھا کہ ہم دوست ہی اچھے ہیں، شادی کرلی تو پھر میاں بیوی بن جائیں گے، دوستی کہیں گم ہوجائے گی...... عجیب باتیں کرتا ہے وہ۔“ معصومہ بتاتے ہوئے عجیب طرح سے ہنسی۔ سپنا نے اس کی طرف دیکھا، سن گلاسز اس کے چاندی جیسے مکھڑے پر بے حد بھلے لگ رہے تھے، اس کے نازک ہونٹوں سے چمکتے موتی ایسے چھوٹے چھوٹے دانت اس کی خوب صورتی کو بڑھا رہے تھے۔ اس کے بائیں گال میں پڑنے والے ڈمپل نے اس کی کشش وحسن میں اضافہ کردیا تھا۔

”ہاں...... عجیب باتیں تو کرتے ہیں۔“ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

”آئی ایم سوری سپنا میں بہت بولڈ ہوں، تم میری بے تکلفی سے کچھ غلط مطلب مت نکال لینا، ہم دونوں صرف اور صرف دوست ہیں، نو رومانس، نو لو۔“ اس نے بے ساختہ کہا، شاید وہ سپنا کی خاموشی سے کچھ اخذ کر بیٹھی تھی۔

”آپ نے کسی اور سے شادی نہیں کی؟“ سپنا نے مسکرا کر پوچھا۔

”ابھی تو پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ ہے، اس کے بعد سوچوں گی، ابھی تو پوری لائف پڑی ہے، فکر کس چیز کی۔“ اس

نے لاپروائی سے کہا۔

”مجھے پتا ہے کہ حمزہ نے تم جیسی بلا سے شادی کیوں نہیں کی۔“ سپنا نے سوچا اور وہ پھر سے اداس ہوگئی۔

”اچھا بتائیں کہ آپ کو کس قسم کے گفٹس لینے ہیں؟“ معصومہ نے موضوع بدلا۔ وہ دونوں تقریباً چار پانچ گھنٹے ساتھ رہی تھیں۔ معصومہ اسے کراچی کی بڑی بڑی مارکیٹوں میں لے آئی تھی جہاں سے عموماً وہ شاپنگ کرتی تھی سپنا نے مظفر کے لیے پرفیوم اور ثمینہ کے لیے جوڑا اور پرس خریدے تھے۔ ان چیزوں کے انتخاب میں معصومہ نے اس کی مدد کی تھی، اس کی پسند بہت اچھی تھی۔ کچھ چیزوں کی خریداری کے بعد سپنا کو وہ رقم کم معلوم ہونے لگی تھی جو حمزہ نے اسے بھیجی تھی اور جو اس وقت اسے زیادہ لگ رہی تھی۔ ان جگہوں پر چیزوں کی ورائٹی اور دام دونوں زیادہ تھے۔ سپنا زندگی میں پہلی بار ایسی جگہوں پر آئی تھی ورنہ اس کی پہنچ عام بازاروں اور عام مالز تک ہی تھی۔ سپنا چیزوں کو دیکھنے کی بجائے معصومہ کو دیکھ رہی تھی، اس کے انداز، اس کی باتیں، اس کی بولڈنیس، اس کی ڈیلنگز، ہر چیز سپنا کے لیے نئی تھی اور وہ اس سے خاصی متاثر لگ رہی تھی۔ وہیں ایک کیفے میں معصومہ نے اسے لنچ بھی کروایا تھا۔ سپنا کو اس کی موجودگی میں عجیب سا احساس کمتری اور خالی پن محسوس ہو رہا تھا۔ کبھی اسے اپنا لباس برا لگ رہا تھا تو کبھی اپنے جوتے، کبھی اسے اپنی لپ اسٹک ڈارک محسوس ہو رہی تھی تو کبھی اپنا انداز تو کبھی اپنے بولنے میں کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر اپنا موازنہ معصومہ سے کر رہی تھی۔ واپسی پر معصومہ اسے گھر ڈراپ کرنے آئی تو سپنا نے اخلاقاً اسے بیٹھنے کا کہا، حمزہ کی کار کھڑی تھی۔ سپنا سمجھ گئی تھی کہ وہ آ گیا ہے۔

”چلو ٹھیک ہے، اسی بہانے تمہارے میاں سے ملاقات ہو جائے گی۔“ وہ فوراً اندر آنے پر راضی ہوئی تو سپنا نے خود کو کوسا۔

”میں تمہیں ’آپ‘ کہہ کر نہیں بلا سکتی، مجھے فارمل لوگ پسند ہیں نا فارملیٹیز، اسی لیے اس وقت سے کبھی آپ تو کبھی تم کہہ رہی ہوں...... میں تمہیں، تم ہی کہوں گی، اوکے۔“ وہ سن گلاسز اتارتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے۔“ سپنا اخلاقاً مسکرائی۔ خیر دین راستے میں ہی مل گیا تھا۔

”صاحب آ گئے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”جی ابھی ابھی آئے ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”خیر دین، حمزہ سے کہو معصومہ بلا رہی ہیں، جلدی سے آ جائے کیونکہ مجھے واپس جانا ہے۔“ معصومہ ڈرائنگ روم میں جانے کی بجائے وہیں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

”جی اچھا۔“ خیر دین نے ان دونوں کے ہاتھوں سے لیے ہوئے شاپرز کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ سپنا کو اس کی بے تکلفی خاصی چبھ رہی تھی۔

”سر آ رہے ہیں...... آپ لوگوں کے لیے پانی لاتا ہوں۔“ خیر دین کچن کی طرف مڑا۔

”تھینکس۔“ معصومہ نے بلند آواز میں کہا۔

”میں آتی ہوں۔“ وہ کمرے کی طرف جانے لگی۔

”جلدی آنا، مجھے گھر واپس جانا ہے۔“ معصومہ نے آواز لگائی۔

”عجیب لڑکی ہے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو حمزہ سے ٹکراتے ہوئے بچی۔

”کس کی تعریف ہو رہی ہے۔“ حمزہ نے شرٹ کے بٹن لگاتے ہوئے پوچھا۔

”جسے آپ نے بھیجا تھا میری مدد کرنے کے لیے۔“ اس نے حمزہ کو دیکھا۔ وہ یونیفارم تبدیل کر کے اس کا نکالا ہوا ڈریس پہن چکا تھا۔

”کون...... معصومہ؟“

”ہاں......“

”وہ ذرا سی الگ ہے، کیا ہوا، اس کی کمپنی اچھی نہیں لگی کیا؟“ حمزہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

”ایسی بات نہیں ہے، وہ آپ کی دوست ہے، اچھی ہے، بس بولتی بہت ہے، بلا سوچے سمجھے بولتی ہے۔“ سپنا کترا کر آگے نکل گئی۔

”اچھا...... آپ چینج کر لیں۔ ہمیں آدھ گھنٹے میں نکلنا ہے۔“ حمزہ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں معصومہ کے پاس بیٹھا ہوں۔“ وہ باہر نکل گیا تو وہ بھی کچھ سوچتی ہوئی وارڈ روب کی طرف بڑھی، اسے تیار ہونے میں صرف پندرہ منٹ لگے تھے۔ تیار ہو کر بمع پرس و گفٹس وہ باہر آئی تو حمزہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

”معصومہ چلی گئی؟“ اس نے پہلا سوال کیا۔ ”خیر دین یہ

سامان گاڑی میں رکھ دو۔" اس نے شاپر خیر دین کو پکڑائے۔

"ہاں اسے جلدی تھی اور ہمیں بھی، سنڈے کو ہمیں ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔" حمزہ نے بڑی تفصیلی نظر اس پر ڈالی۔

"ڈنر......" وہ ٹھٹکی۔

"اور دوستوں نے بھی کہہ رکھا ہے، سمجھو یہ پورا مہینہ تو بک ہے۔" حمزہ نے ٹی وی کو آف کر دیا۔

"اچھا......" اس نے حمزہ کی طرف دیکھا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اس نے سپنا کی تیاری کو سراہا، ہلکے کامدار سبز لباس میں سلیقے سے تیار ہو کر وہ بہت اچھی لگ رہی تھی مگر اس کے حواسوں پر ابھی تک معصومہ کا بھوت سوار تھا، حمزہ کی تعریف اسے سنائی ہی نہ دی۔

"میں سوچ رہا ہوں راستے سے ایک بوکے لے لوں۔" حمزہ نے کہا تو اس نے بے دھیانی میں سر ہلا دیا۔

مظفر کو آفیسر ہاؤس میں ہی خوب صورت بنگلہ ملا ہوا تھا۔ ثمینہ نے بہت اچھے طریقے سے گھر کو سیٹ کر رکھا تھا۔ وہ خود بھی پہلے سے کافی صحت مند اور پیاری ہوگئی تھی۔ وجود میں ہونے والی واضح تبدیلی کو دوپٹے کی اوٹ سے چھپانے کی کوشش میں اس کے چہرے پر سرخی سی پھیل رہی تھی، مامتا کے احساس کے ساتھ حیا کا روپ اسے بہت معتبر و پر کشش بنا رہا تھا۔ چچی سلمہ کی طبیعت مزید خراب ہوگئی تھی۔ وہ بستر پر ہی رہتی تھیں، صرف واش روم وغیرہ جانا ہوتا تو اٹھتی تھیں۔ مظفر نے ان کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ کا بھی بندوبست کر رکھا تھا۔ مظفر دونوں سے بہت اچھے طریقے سے ملا تھا۔ سپنا کو شاید زندگی میں پہلی بار اس کا سامنا کرتے ہوئے خود سے شرمندگی ہوئی تھی۔ اس نے موقع پاتے ہی اس سے معذرت کی تھی، جواب میں مظفر نے صرف اتنا کہا تھا۔

"میں نے کبھی تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا تھا، میرے لیے تم کل بھی معتبر تھیں اور آج بھی معتبر ہو بلکہ میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تمہاری وجہ سے مجھے اتنی اچھی جیون ساتھی ملی۔ ثمینہ نے میری زندگی اور میرے گھر کو جنت بنا دیا ہے۔ میں تمہیں کبھی نہ بھول پاتا جو ثمینہ کی وفا اور محبت مثالی نہ ہوتی، اس نے مجھے اور میری ماں کو خرید لیا ہے۔ شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا تمہارا، یقین جانو اگر تم سے شادی ہو جاتی تو کوئی بھی خوش نہ رہ پاتا، ہمارے ستارے ہی نہیں ملتے مگر مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ تمہیں تمہاری مرضی کا جیون ساتھی ملا ہے، خوش رہو۔" وہ جی بھر کر شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس نے ثمینہ سے بھی معافی مانگ لی تھی۔

"آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے بس اتنا کافی ہے۔ میرا دل آپ کی طرف سے صاف ہے اور ہاں...... انیلا آپ سے بات کرنا چاہتی ہے، میرے پاس اس کا نمبر ہے، آپ اس سے بات کر لیجیے گا کیونکہ ان لوگوں نے مکان شفٹ کر لیا ہے۔" اسے یاد آیا تو سپنا کو انیلا کا نمبر دے دیا، وہ لوگ کافی دیر وہاں بیٹھے رہے حمزہ کو مظفر ذاتی طور پر بہت پسند آیا تھا پھر انہوں نے اجازت لی کیونکہ شمس کو بھی ریسیو کرنا تھا۔

"فلائیٹ میں کافی وقت پڑا ہے، آپ سو جائیں میں ڈرائیور کے ساتھ جا کر اسے پک کر لوں گا۔" گھر آ کر حمزہ نے سپنا سے کہا۔

"جی......" وہ لباس تبدیل کر کے کمرے میں آئی تو حمزہ فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ حمزہ نے سفید رنگ کا کرتا شلوار پہنا ہوا تھا جو کہ رات کے وقت عموماً وہ زیب تن کرتا تھا۔ وہ میرون کلر کی ریشمی نائٹی میں ڈریسنگ مرر کے آگے بیٹھی بالوں کو برش کرتی رہی، وقتاً فوقتاً وہ حمزہ پر بھی نظر ڈال رہی تھی...... وہ فائل کے مطالعہ میں مگن تھا۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی۔ رات کے اس پہر، اس خاموش اور مہکتی فضا میں وہ اس کی محبت کے لیے تڑپ رہی تھی مگر وہ تھا کہ اسے کوئی پروا تھی نہ خیال...... فائل میں ایسا گم تھا کہ کمرے میں نو بیاہتا بیوی کے وجود کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ دیر وہ آئینے میں اس ظالم کا عکس دیکھتی رہی پھر گویا خود ہی جھلا کر برش میز پر رکھا اور اٹھ کر کمرے کی لائٹیں بند کر دیں۔ تب حمزہ نے چونک کر اسے دیکھا، مدھم روشنی میں تیز رنگ کے شب خوابی کے لباس میں وہ شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی لانبی زلفیں اس کے دونوں بازوؤں اور چہرے کے گرد احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے چہرے پر سے بال ہٹائے اور دونوں ہاتھوں کی مدد سے بالوں کو سمیٹ کر دائیں کندھے پر ڈال لیے۔

"آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوئے، مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی۔" اس نے نزاکت سے بیڈ کے کنارے پر ٹکتے ہوئے پوچھا۔

"سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ آپ سو جائیں میں

اسٹڈی میں چلا جاتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا۔

"وہاں گرمی ہوگی...... یہاں اے سی تو آن ہے کم از کم۔" سپنا نے پیر اونچے کر کے کمبل ٹانگوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"پورے ملک میں سردی ہے اور یہاں اے سی لگے ہیں۔"

"یہاں کا موسم ایسا ہی ہے، آپ رہیں گی تو عادی ہوجائیں گی۔" حمزہ مسکرایا، سپنا اس کی مسکراہٹ میں گم سی ہوگئی۔ کیسی ٹھنڈی پھوار سی مسکراہٹ تھی اس کی۔

"میں ڈسٹرب نہیں ہوں گی آپ یہیں رہیں۔" اس نے ضد کی۔

"شیور؟" حمزہ نے اسے دیکھا تو اس نے سر ہلایا اور لیٹ گئی۔ حمزہ پھر سے اپنی فائل میں گم ہوگیا تھا۔

نیند میں اس کے منہ سے سسکاری سی نکلی...... حمزہ نے چونک کر اسے دیکھا، ایک ہاتھ تکیے پر تھا، دوسرا سونے کی چوڑیوں سے بھرا ہوا ہاتھ سینے پر...... تکیے پر بال بکھرے ہوئے تھے، چہرے پر عجیب سی تنہائی کا تاثر تھا، حمزہ نے فائل بند کی اور بے خود سا اسے دیکھنے لگا پھر ذرا سا آگے جھکا اور اس پر جھک گیا۔ سپنا نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ حمزہ کی قربت کا احساس اسے پاگل کر رہا تھا، اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے سیاہ بالوں میں اپنی مومی انگلیاں پھنسا دیں، حمزہ نے جیسے خود پر لگام ڈال کر کھینچا تھا۔ سپنا نے پوری آنکھیں کھول کر بڑی حسرت سے اسے دیکھا۔

"ایئر پورٹ جانا ہے سو جاؤ۔" وہ لب بھینچتا ہوا بستر سے اترا، سپنا نے آنکھوں میں الڈتے آنسوؤں کو بے دردی سے اندر دھکیلا اور تکیے میں منہ چھپالیا۔

رات خود سے جنگ کرتے ہوئے وہ نہ جانے کب سوگئی تھی، حمزہ اور شمس کب آئے، کب سوئے اسے پتا نہیں چلا، صبح وہ دیر سے جاگی تھی۔ حمزہ آفس جاچکا تھا، وہ لباس بدل کر باہر آئی تو خیر دین سے پتا چلا کہ شمس بھی جاگ گیا ہے اور ناشتہ پر انتظار کر رہا ہے۔ رات والی بات کو وہ بھلانے پر مجبور تھی۔ اس نے اچھے موڈ کے ساتھ شمس کا جو کہ اس کا دیور تھا، اسے ویلکم کہنا تھا، شمس لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا، اسے دیکھ کر وہ احتراماً کھڑا ہوا۔

"کیسی ہیں بھابی؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں، بیٹھیں۔" شمس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"ناشتہ تیار ہو رہا ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"سوری...... آپ کو انتظار کرنا پڑا۔"

"ایسی بات نہیں، میں ابھی تو سو کر اٹھا ہوں، رات تقریباً تین بج گئے تھے گھر آتے آتے، آپ سو رہی تھیں، بھائی تو آفس چلے گئے ہوں گے، کل کہہ رہے تھے کہ ان کی کوئی ضروری میٹنگ ہے۔" شمس بولا۔

"آ...... ہاں......" اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ حالانکہ اسے اس بات کی خبر نہ تھی مگر ظاہر ہے دیور پر تو سب اچھا ہے کا امپریشن ڈالنا تھا۔ خیر دین ناشتے کی ٹرالی لے آیا۔

"مجھے چائے بنا دیں اور ایک کباب۔" اس نے کہا۔

"آپ یہ لیں اتنا سارا کون کھائے گا؟" شمس نے اسے پلیٹ بنا کر خود پیش کی۔

"رہنے دیں خیر دین، بھابی کو چائے میں خود بنا کردوں گا۔" وہ محبت سے بولا اور پھر اس کے لیے چائے بنا کردی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں شمس۔" اس نے بات شروع کی۔

"کیوں؟" وہ ٹھٹکا۔

"میری وجہ سے تمہیں یونیورسٹی چھوڑنی پڑی تھی۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکایا۔

"آپ مجھے شرمندہ مت کریں بھابی، غلطی تو ہر انسان سے ہوتی ہے، سچ کہوں تو اچھا ہی ہوا، کہتے ہیں ناں جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے، مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے، آپ کی وجہ سے میں سمپل ماسٹرز کرنے کے بجائے پولیٹیکل سائنس میں ماسٹر کر کے اب پی ایچ ڈی کرنے کا پلان بنائے بیٹھا ہوں، مجھے تو کبھی پتا ہی نہ چلتا کہ مجھ میں اتنی اسکلز ہیں، آپ کی وجہ سے مجھے خود کو جاننے اور پہچاننے کا موقع ملا۔" اس نے چائے میں شکر ملاتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی تنقید چاہے وہ بے جا ہی ہو، ترقی، کامیابی اور آگے بڑھنے کا وسیلہ بن جاتی ہے، بھائی اور پاپا مجھے کہتے تھے کہ سمپل ماسٹرز میں کوئی فیوچر نہیں مگر مجھے ہمیشہ یہ لگتا تھا کہ میرے اندر بھائی اور پاپا کی طرح ایکسٹرا آرڈینری ایبلٹی نہیں ہے میں ذہنی طور اور جسمانی طور پر ان دونوں جیسا مضبوط اور ذہین نہیں۔" اس نے کہا، سپنا خاصی حیرت اور

شرمندگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی، وہ براؤن کلر کی پینٹ اور بسکٹی کلر کی شرٹ پہنے ہوئے تھا، صحت میں کچھ اضافہ ہوا تھا مگر رنگت ہنوز تھی، ہیئر اسٹائل بھی ویسا ہی تھا، اس نے غور سے دیکھا، اس کے نقوش حمزہ سے مشابہہ تھے مگر پکی رنگت کی وجہ سے دب گئے تھے۔ اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ شمس ندیم میں بہت کشش ہے۔

"مگر میں غلط تھا مجھے موقع ملا اور میں نے خود کو پروف کیا۔ آپ یقین نہیں کریں گی کہ ان دس ماہ میں مجھے نیویارک کے بہترین کالجوں نے لیکچرر شپ کی ریکوسٹ کی ہے۔" وہ بہت خوشی سے بتا رہا تھا۔

"میں نے تمہارا دل دکھایا پھر بھی تم مجھ سے خفا نہیں...... تم بہت اچھے ہو شمس۔" وہ بولی۔

"مجھے صرف ایک بات کا افسوس تھا کہ آپ نے مجھے غلط سمجھا، میں آپ کو دیکھتا تھا مگر اللہ گواہ ہے کہ میری نظروں میں، میری سوچ میں آپ کے لیے صرف احترام ہوتا تھا۔ مجھے آپ پہلی نظر میں ہی حمزہ بھائی کے لیے پسند آئی تھیں، اسے قسمت کہیے یا اتفاق آپ میری بھابی بن کر حمزہ بھائی کے گھر آ گئیں۔ بس مجھے یہ افسوس تھا کہ میں آپ کا دل اپنی طرف سے صاف نہ کر پایا تھا۔ دراصل اس میں آپ کا بھی قصور نہیں، ہمارے معاشرے میں ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ ہو یا سوشل، ہر جگہ عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا ہے...... آپ کا مجھ پر شک کرنا جائز تھا مگر اب تو آپ پر ساری باتیں عیاں ہیں، آپ میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیں۔" اس نے اپنی بات وضاحت سے بتائی۔

"میں تمہاری طرف سے دل صاف کر چکی ہوں شمس، ہو سکے تو تم بھی مجھے معاف کر دو۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"وہ تو میں کب کا کر چکا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"شکریہ...... تم بہت اچھے ہو۔" وہ بھی مسکرائی پھر وہ اس سے ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگی، اس کی باتوں سے سپنا کو اندازہ ہوا کہ شمس یہاں دو چار دن ہی رکے گا پھر وہ ممی پاپا سے ملنے کے لیے روانہ ہو جائے گا اور واپسی بھی شاید وہیں سے ہو۔

وہ حمزہ سے بہت ناراض تھی اتنی کہ سوائے سلام کے اس سے کوئی بات نہیں کر رہی تھی مگر شمس پر وہ اس ناراضی کو ظاہر نہیں کر رہی تھی، حمزہ کو اس کی ناراضی کی وجہ اچھی طرح معلوم تھی مگر اس نے اسے منانے کی کوئی کوشش نہیں کی، شمس کی موجودگی میں معصومہ بھی آئی تھی ان دونوں کی باتوں اور بے تکلفی دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ دونوں میں اچھی خاصی ہیلو ہائے ہے۔ معصومہ نے لگے ہاتھوں شمس کو بھی دعوت دے ڈالی تھی۔

"دعوتیں دینے کا بڑا شوق ہے اسے۔" اس کے جانے کے بعد وہ شمس سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں بہت زیادہ...... اکیچولی اکیلی ہوتی ہے ناں، اس لیے بس اسی طرح کی ایکٹی ویٹیز میں خود کو انوالو رکھتی ہے لیکن ہے بہت اچھی۔" شمس نے سادگی سے کہا۔

"ہاں ہے تو بہت اچھی...... پتا نہیں شادی کیوں نہیں کرتی۔" اس نے بظاہر عام سے لہجے میں کہا۔

"جب قسمت میں ہوگی کر لے گی۔" شمس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تم کیوں نہیں کر لیتے اس سے شادی؟ تمہاری تو اچھی دوستی بھی ہے۔" اس نے کہا تو پانی پیتے ہوئے شمس کو اچھو لگ گیا۔

"ارے رے...... کیا ہوا؟" وہ گھبرائی۔

"میں...... ہاہاہا سوچئے گا بھی نہیں۔" وہ ہنستے ہنستے بے حال ہوا۔

"کیوں...... تمہیں پسند نہیں ہے کیا؟" اس نے کریدا۔

"یہ بات نہیں ہے، وہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر شادی نہ کرنے کی کچھ وجوہات ہیں۔" شمس نے آنکھوں میں اترے پانی کو انگلیوں کی پوروں سے پونچھا۔

"کیا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"نمبر ایک کہ وہ مجھ سے پورے پانچ سال بڑی ہے...... مجھ سے کیا وہ تو آپ سے بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔" شمس نے کہا تو وہ حیران رہ گئی۔

"مگر لگتی تو وہ مجھ سے چھوٹی ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔

"دوسری وجہ یہ کہ اس کا مزاج مجھ سے بالکل میل نہیں کھاتا، تیسری وجہ یہ ہے کہ مجھے اپنی لائف پارٹنر سیدھی سادی چاہیے، اتنی ڈائنامک نہیں، وہ بہت اسپیشل ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسا لائف پارٹنر سوٹ کرے گا مجھ جیسا نہیں۔"

”حمزہ نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟ جب کہ وہ تو ان کی دوست بھی ہے۔“ اس نے گہری نظروں سے شمس کو دیکھا۔

”اس نے بھائی کو پرپوز کیا تھا مگر بھائی نے منع کر دیا تھا وجہ پتا نہیں، شاید وہ اتنی بولڈ ہے اس لیے بھائی نے منع کیا ہو...... ہمارے معاشرے میں اتنی بولڈنس عیب بن جاتی ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”شاید......“ اس نے بھی دیور کے تجزیے پر مزید بحث نہ کی مگر وہ پھر سے بے چین ہونے لگی تھی، حمزہ سے شکایت تو تھی ہی مگر چاہتی تھی کہ اب وہ خود سے پہل کرے، دن اسی طرح گزرتے رہے اور وہ دل میں بہت ساری باتیں جمع کرتی رہی۔ حمزہ کو تو فرصت نہ تھی اور اپنے عہدے کی وجہ سے وہ ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا تو شمس بیچارے نے ہی اسے پورا کراچی گھما دیا تھا۔ کسی ایک دن معصومہ کو بھی وہ لوگ ساتھ لے لیتے۔ اسے کراچی میں سب سے زیادہ سمندر پسند آیا تھا، تاحد نگاہ سفید جھاگ اڑاتا سمندر۔

”کراچی میں اسکن بہت رف ہو جاتی ہے، اگر ٹھیک سے کیئر نہ کی جائے، تم اپنا پارلر ریگولر رکھنا، ورنہ یہ سرخ و سپید رنگت پیلی زرد جھاڑیوں جیسی ہو جائے گی۔“ معصومہ نے اسے مشورہ دیا۔ وہ اسے کراچی کے تمام مشہور بوتیک اور کراچی کے سب سے مشہور اور اچھے پارلر پر لے آئی تھی۔ یہاں پر اس نے سپنا کی نئے سرے سے ”ٹریٹمنٹ“ کرائی تھی۔ بقول معصومہ۔

”تم خود کو پھر سے تازہ کرو، یہاں کی بیگمات اور ان کی بیٹیوں سے ابھی تم ملی نہیں ہو۔ یہاں ایک گھمسان کا رن پڑا ہوتا ہے میری جان...... ہر کوئی بھاگ رہا ہے ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے، تمہیں اپنی اسکین بیوٹی پر توجہ دینی چاہیے، شام کو ڈنر پر ملو گی ناں سب سے تو اندازہ ہو جائے گا۔“ معصومہ کا سبق کسی طوطے کی طرح اس نے ازبر کر لیا تھا، بالوں کو نئے اسٹائل میں ٹرم کرا کے نیا لک دیا تھا اور فیشل نے اسے واقعی تازہ دم کر دیا تھا۔

”شام کو ساڑھی باندھ لینا...... سب ہی میرڈ خواتین زیادہ تر یہی لباس پہنتی ہیں۔ میری ممی بھی ساڑھی پہنتی ہیں۔“ وہ اسے گھر ڈراپ کرتے ہوئے مشورہ دے رہی تھی۔ اسے پسند نہ کرنے کے باوجود وہ اس کے مشوروں پر عمل کر رہی تھی۔ حمزہ تو اپنے وقت پر ہی گھر آیا جبکہ وہ اسے نظر انداز کر کے اپنی تیاریوں میں لگی رہی، اسکن اور ریڈ کنٹراسٹ کی بہت ہی ہلکے کام کی نفیس ساڑھی میں بہت ہی حسین سا ہیئر اسٹائل بنا کر وہ ریڈ کلر کی لپ اسٹک لگا رہی تھی جب حمزہ اسکن کلر کے سوٹ میں ملبوس ڈریسنگ سے برآمد ہوا۔ اس نے اسی کے رنگ کی ٹائی لگائی ہوئی تھی، جوتے پہن کر وہ اس کے پہلو میں آ کر اپنے بالوں پر برش پھیرنے لگا۔ وہ کچھ جھجک سی گئی۔ ہائی ہیلز پہننے کے باوجود وہ اس کے کندھے تک آ رہی تھی۔ حمزہ نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے گلے میں کچھ نہیں پہنا تھا، صرف کانوں میں آویزے اور ایک ہاتھ میں سونے کی چوڑیاں تھیں، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں اس نے دو، دو سونے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ بلاؤز پر سرخ موتیوں کا کام تھا اس لیے اس نے گلے میں کچھ نہیں پہنا تھا...... خود پر پرفیوم اسپرے کر کے اس نے تنقیدی نظروں سے خود کو دیکھا۔

”لپ اسٹک ڈارک تو نہیں ہو گئی؟“ مجبوری تھی کسی اور سے پوچھ نہیں سکتی تھی کہ کوئی تھا نہیں اس لیے مجبوراً حمزہ سے دریافت کیا۔

”ٹھیک ہے۔“ حمزہ نے سرسری سا جواب دیا تو اس کی جان جل کر رہ گئی تھی۔

”تعریف میں کنجوسی کیوں کرتے ہیں؟ ٹیکس نہیں لگتا۔“ وہ جل کر بولی تو حمزہ نے بمشکل مسکراہٹ چھپائی۔ وہ اپنی تیاریوں میں مگن تھی لہٰذا حمزہ کی مسکان دیکھ نہ سکی۔ چھوٹا سا ریڈ کلر کا کلچ لے کر وہ بالکل ریڈی ہو گئی تھی۔

”چلیں۔“ حمزہ نے مڑ کر کہا اور اس سے پہلے باہر نکل گیا۔ وہ جلتی سلگتی اس کے پیچھے نکلی مگر لڑکھڑا کر رہ گئی، ایک تو ساڑھی اور اس پر ہیل...... ساڑھی باندھنے کی پریکٹس بھی تو زیادہ نہ تھی، حمزہ نے سہارا نہ دیا ہوتا تو بری طرح گر پڑتی۔

”آرام سے۔“ وہ اسے بانہوں میں بھر کر بولا مگر اس کا موڈ سخت خراب تھا، حمزہ کی قربت سے اسے وحشت ہونے لگی، اس نے خود کو چھڑا لیا اور باہر نکل گئی۔ حمزہ زیر لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا تھا۔

* * *

پارٹی میجر زاہد نے کلب میں رکھی تھی۔ ان کے علاوہ اور لوگ بھی مدعو تھے۔ اچھی خاصی گیدرنگ تھی۔ معصومہ کی باتیں

سچ ثابت ہوئی تھیں۔ وہ شکر ادا کررہی تھی کہ ڈھنگ سے تیار ہوکر آئی ہے۔ معصومہ نے لانگ سلیولیس بلیک کلر کی میکسی پہن رکھی تھی، اسے وہاں کا ماحول دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ کسی مغربی ملک میں ہے اور وہاں کسی تقریب کو انجوائے کررہی ہے۔ اس کے گھر تو اماں کی سختی کی بدولت انڈین فلمیں بھی نہیں دیکھی جاتی تھیں۔ اماں فلموں کے سخت خلاف تھیں، وہ صدف کے گھر چوری چھپے سے دیکھ آتی تھی کیونکہ ان کے گھر ڈش اور کیبل بھی تھی۔ اب وہ سب کچھ یہاں دیکھ رہی تھی، بے باکی، آزادی، الٹرا ماڈ فیشن، وہ اور حمزہ آج کی تقریب کے چیف گیسٹ تھے، دونوں آگے آگے چل رہے تھے اور شمس ان کے پیچھے تھا، معصومہ انہیں دور سے ہی دیکھ کر بھاگی چلی آئی اور بڑے کھلے دل سے دونوں کی تعریف کی۔ اس نے سپنا کو میجر زاہد اور بیگم زاہد سے ملوایا۔ اسے میجر زاہد بہت پسند آئے تھے، ان سے مل کر اسے ابا کی یاد آ گئی تھی، اس کا دل ایک دم ابا کے گلے سے لگ کر رونے کو چاہا۔

"سو سپنا کیسے لگے میرے ڈیئر ڈیڈ؟" وہ میجر زاہد کے شانے سے لگی پوچھ رہی تھی۔

"بہت سوئیٹ، بہت پیارے، شاید سارے والد ہی پیارے ہوتے ہیں۔" کولڈ ڈرنک کا گلاس تھامے وہ بولی۔

"ساری بیٹیاں پیاری ہوتی ہیں، اسی لیے انہیں باپ پیارے لگتے ہیں۔" میجر زاہد نے برجستہ کہا۔

"تم بہت لکی ہو معصومہ، انکل تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"کیا تمہارے ڈیڈ بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں؟" معصومہ نے بچوں جیسا سوال کیا۔

"پتا نہیں، کبھی ابا کی محبت ناپی نہیں مگر میرے ابا سب بچوں میں مجھ سے ہی بہت محبت کرتے ہیں۔" وہ بے حد اداس ہوئی اتنی کہ اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"او...... آئی ایم سو ساری، میں نے تمہیں رلا دیا۔" معصومہ پشیمان سی آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ حمزہ نے گڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا، میجر زاہد اور بیگم زاہد نے بیٹی کو گھورا۔

"تمہاری ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے ناں پھر سب سے دور بھی آ گئی ہو، اسی لیے اتنی یاد آرہی ہے پیرنٹس کی مگر جب خیر سے گود بھر جائے گی تو پیرنٹس تو کیا میاں کو یاد کرنے کی مہلت نہیں ملی گی...... اتنی مصروفیات ہوجائیں گی پرسنل ایکسپرینس ہے۔" بیگم زاہد نے اس کو محبت سے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ شاید وہ اس کا من بہلانا چاہ رہی تھیں مگر بیچاری کو کیا خبر تھی کہ انجانے میں اس کی دکھتی رگ کو دبا بیٹھی ہیں۔ ایک دھچکا سا اس کے کلیجے کو لگا۔ اسے یہ تو اچھی طرح اندازہ تھا کہ ہر شادی شدہ دلہن سے لوگ دوسرے تیسرے مہینے ہی خوشخبری سننے کی امید لگا بیٹھتے ہیں، اس نے بے اختیار حمزہ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ بیگم زاہد کی بات پر مسکرا رہا تھا۔

"کتنا اطمینان ہے ان کے چہرے پر جیسے کوئی پرواہی نہ ہوں۔" اس نے دل میں سوچا۔

"چلو میں تمہیں باقی مہمانوں سے ملواؤں۔ حمزہ کی دلہن دیکھنے کے لیے مری جارہی ہیں سب۔" معصومہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔ حمزہ نے ایک نظر اس کی نازک سی پشت پر ڈالی، اس کی چاندی جیسی گردن ساڑھی میں دمک رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے، تم سے شادی سے پہلے ہر لڑکی حمزہ پر مرتی تھی۔" معصومہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آئی سوئیر...... وہ کرنل رضوان کی بیٹی نے تو اسے خود پرپوز بھی کردیا تھا۔ لڑکیاں خود اسے آفر کرتی تھیں۔"

"یقین نہیں آتا...... کوئی لڑکی اتنی بھی بولڈ ہوسکتی ہے، ہم لوگوں میں تو اس طرح کی حرکت کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔" وہ بولی۔

"یہی تو فرق ہے تم لوگوں کے اور ہم لوگوں کے اسٹیٹس میں، ایکچولی ساری بات کلاس کی ہوتی ہے، اب تم ہائی جینٹری موو کروگی تو اندازہ ہوگا کہ یہاں لڑکیاں کس قدر بولڈ ہوتی ہیں۔" اسے واقعی حد سے زیادہ ہی صاف بات کرنے کی عادت تھی یا پھر اس کے مزاج میں ہی احتیاط نہیں تھی۔ بے چاری، سپنا پہلو بدل کر رہ گئی۔

"مگر یہ تو بے حیائی ہوئی، ہمارا معاشرہ ہمیں ایسی بے حیائی کی اجازت تو نہیں دیتا۔" اس نے برا مان کر کہا۔

"یہی فرق ہے، تم اسے بے حیائی کہتی ہو اور ہم اسے بولڈنس کہتے ہیں۔" معصومہ نے کندھے اچکائے۔

"مگر حمزہ نے قرعہ تمہارے نام کا نکالا۔ یو آر اے لکی

گرل۔“ اس نے ٹکڑا جوڑا۔

”میرے خیال میں حمزہ لکی ہے جو انہیں میں ملی۔“ اس نے خود اعتمادی سے کہا، اس کے اندر کی سرکش ضدی لڑکی نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔

”واؤ...... یہ بات ہوئی ناں، چلو تمہیں اب ان سے ملواؤں جو تمہیں دیکھ دیکھ کر کباب ہو رہی ہیں۔“ وہ ہنسی تو جلترنگ سے بجنے لگے تھے۔

”اور تم، تم کباب نہیں ہو رہیں؟“ اس نے بظاہر شوخی سے پوچھا تو معصومہ پھر سے ہنس پڑی۔

”ریئلی...... سچی بتاؤں تو مجھے تم پر رشک آتا ہے، حمزہ جیسا کوئی اور نہیں قسم سے۔“ وہ بولی تو سپنا کو لگا جیسے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی ہو۔

”تم اس سے محبت کرتی ہو؟“ بے ساختہ سپنا نے پوچھا۔

”وہ ہے ہی اس قابل کہ اس سے محبت کی جائے۔“ وہ مسکرائی۔

”ٹالو مت۔“ سپنا نے اسے کریدا۔

”جو اتنا ہائی جینٹری موو کرنے کے بعد بھی تہجد پڑھے، پنجگانہ نماز کا عادی ہو، سوشل ڈرنک یعنی شراب کو اوائیڈ کرے، لڑکیوں سے ناجائز تعلقات نہ رکھے تو ایسے بندے سے محبت نہیں کی جاتی، اس کی عزت کی جاتی ہے، میں اس کی بے حد عزت کرتی ہوں، تمہارے نصیب میں اصلی ڈائمنڈ آیا ہے، اس کی قدر کرنا۔“ وہ بے حد سنجیدہ ہوئی اتنی کہ اس کی ازلی مسکان کہیں گم ہوگئی تھی۔ معصومہ اسے فرداً فرداً سب سے متعارف کرا رہی تھی۔ وہ بظاہر سب میں گھل مل رہی تھی مگر اس کا ذہن معصومہ اور حمزہ میں اٹک چکا تھا۔ وہ ان دونوں کا رشتہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

واپسی پر وہ بالکل چپ تھی جب کہ شمس اور حمزہ تقریب اور مہمانوں کے بارے میں تبصرہ کر رہے تھے۔ اس کی خاموشی کو محسوس تو حمزہ نے بھی کیا تھا مگر جتایا صرف شمس نے۔

”میرا خیال ہے بھابی تھک گئی ہیں۔“ آخر میں وہ اتنا ہی بولا۔

کمرے میں آ کر اس نے جیولری اتاری اور لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔ حمزہ اور شمس لاؤنج میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تھے۔ شمس نے کل واپس چلے جانا تھا۔ حمزہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دو روز کے لیے ضرور گھر آئے گا۔ حمزہ کمرے میں پہنچا تو سپنا کروٹ لے کر سو رہی تھی یا آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کی نائٹی میں وہ کسی سنگی مجسمے کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ حمزہ جب لباس بدل کر آیا تو اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔

”آپ جاگ رہی ہیں میں سمجھا سو گئیں۔“ اس نے چونک کر کہا۔

”جی...... آپ کو سوتے ہوؤں کی نیند خراب کرنا خوب آتی ہے۔“ اس نے چوٹ کی، حمزہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

”لڑائی کا پروگرام ہے یا پیار کا؟“ وہ موڈ میں تھا یا طنز کر رہا تھا، وہ سمجھ نہ پائی۔

”کل شمس جا رہا ہے میرا ٹکٹ کروا دیں، میں بھی کچھ دنوں کے لیے گھر جانا چاہتی ہوں۔ مجھے ابا یاد آ رہے ہیں۔“ اس نے خراب موڈ میں کہا۔

”بھاگ رہی ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”کہاں بھاگ کر جاؤں گی، اپنے نصیب سے کون بھاگ سکا ہے؟ آپ کے ساتھ میرا نصیب جڑ چکا ہے۔ صرف بے عزتی کے اس احساس کو کم کرنا چاہتی ہوں جو مجھے محسوس ہو رہی ہے۔“ اس نے سلگ کر کہا۔

”کیسی بے عزتی؟ میں تو آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔“ وہ انجان بن گیا۔

”جی...... کل رات عزت افزائی ہی کی تھی ناں میری آپ نے۔“ وہ جل کر طنزیہ لہجے میں بولی۔

”آپ میرا قرب پانا چاہتی ہیں ناں؟“ حمزہ اس کی طرف بڑھا۔

”وہیں رک جائیں...... مجھے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے بجلی کی سی سرعت سے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا۔ حمزہ اس کا انداز دیکھ کر ٹھٹکا۔

”اتنی سخت زیادتی کی ہے آپ نے میرے ساتھ اور کوئی پچھتاوا، کوئی ملال نہیں...... الٹا اس قدر گھٹیا بات کر رہے ہیں، مجھے کل اپنے گھر جانا ہے۔“ وہ غصے سے بولی۔

”ٹھیک ہے، میں صبح ٹکٹ کرا دوں گا۔“ حمزہ نے لیٹتے ہوئے کہا۔ ”لیٹ جائیں میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔“ حمزہ نے کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں، ڈسٹرب کر ہی نہیں سکتے آپ۔" اس نے جل کر سوچا اور واپس اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔

حمزہ نے وعدہ پورا کیا تھا، وہ اپنا مختصر سا سامان پیک کرکے شمس کے ساتھ چلی گئی تھی۔ ایک روز سسرال میں رہنے کے بعد وہ ابا کی طرف چلی آئی۔ سارے گھر والے اسے دیکھ کر مسرور تھے۔ اماں بھی کتنی دیر اسے ساتھ چمٹائے رہیں۔ دادی نے اس کی بلائیں لیں ابا تو اس کا سر سینے سے لگا کر رو پڑے تھے۔ سارے بھائی خوش ہو رہے تھے کہ اس گھر کی رونق آ گئی تھی۔ نایاب بہت محبت سے اس سے ملی تھی۔ وہ بھی امید سے تھی۔ وہ سب کے درمیان چہک رہی تھی۔ سب نے منی کا بھی پوچھا تھا، اس نے بہت تفصیل سے سب کچھ بتا دیا تاکہ سب مطمئن ہو جائیں۔ اسے وہاں ہفتہ گزر گیا تھا جب ابا نے اس سے پوچھا تھا۔

"بٹو..... حمزہ میاں کو فون کیا تھا تم نے یا ان کا فون آیا تھا؟"

"جی ابا بات ہوئی تھی میری، میں نے کہا کہ روز روز تو فون نہیں کرسکوں گی۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"ہیں..... ہیں ارے پاگل، شوہر سے اس طرح نہیں کہتے، لاکھ مصروفیات ہوں تب بھی نہیں۔ بطور خاص جب میکے آؤ تو پھر تو بالکل بھی نہیں..... یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں ان کا خیال رکھا کرو۔" اماں نے ناک کی نوک پر انگلی رکھ کر تعجب سے اسے گھورا، وہ فوراً سنبھل گئی۔

"جی اماں..... وہ میرا مطلب تھا کہ....." اس نے بہانہ تراشنا چاہا۔

"تمہارے سارے مطلب جانتی ہوں میں بی بی۔" اماں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ٹوکا۔

"ابا آپ سے ملنے عطا چچا آئے ہیں۔" صابر بھیا نے اسی پل آ کر اطلاع دی۔ ابا چلے گئے اور اماں اس کے لتے لینے لگیں۔

"اور ہاں..... تمہاری شادی کو اتنے دن گزر گئے ہیں ڈاکٹر سے چیک اپ کرایا؟" اماں نے ذومعنی انداز میں پوچھا۔

"کیوں اماں..... میں تو بالکل ٹھیک ہوں، بلاوجہ کیوں جاؤں ڈاکٹر کے پاس؟" وہ حیران ہو کر بولی۔

"ارے کم عقل، صرف قد ہی اونٹ جتنا لمبا ہے، عقل تو وہیں ٹخنوں میں رہ گئی ہے۔" اماں نے دھپ سے ماتھے پر ہتھیلی ماری۔

"ارے پگلی، منی کو دوسرے مہینے ہی خوشخبری مل گئی تھی۔ نایاب کا بھی یہی ہوا، تمہاری طرف سے ابھی تک کوئی خوشخبری نہیں آئی۔" اماں نے دھیمی آواز میں اسے مدعا سمجھایا تو اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"توبہ ہے اماں..... ابھی تو تین ماہ بھی پورے نہیں ہوئے شادی کو..... آپ بھی پتا نہیں کیا باتیں کر رہی ہیں؟" وہ گڑبڑا کر اٹھنے لگی تو انہوں نے بازو سے پکڑ کر بٹھا لیا۔

"بچکانہ باتیں چھوڑ دو، تمہاری طرف سے یہی ڈر رہتا ہے کہ تم بہت لاپرواہ ہو، معاملات اور باتوں کی گہرائی تک نہیں جاتی..... اب منی کو ہی دیکھ لو، ماشاء اللہ کتنی ہوشیار ہے، حالانکہ تم سے کتنی چھوٹی ہے مگر گھر بار کیسا سمیٹ اور سنبھال کر بیٹھی ہے۔" اماں نے تمہید باندھی۔ وہ سر جھکا کر سنتی رہی۔

"بچے مرد کے پیروں کی زنجیر ہوتے ہیں، عورت کے قدم مضبوط بناتے ہیں، شروع دن ہیں تم لاپروائی مت برتو..... ڈاکٹر سے ملو اور ٹھیک طرح سے چیک اپ کراؤ۔" وہ کافی دیر سے قیمتی مشوروں سے نوازتی رہیں اور سپنا کا دل چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے، کیسی بے بسی تھی، حمزہ نے اس کا تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا اس نے اماں کو تو مطمئن کر دیا تھا مگر خود کو مطمئن نہ کر پائی تھی۔

"ابھی شروع کے دن ہیں اور یہ حال ہے..... پوری زندگی کیسے گزرے گی؟ نقص مجھ میں نہیں ہے، کس کس کو یقین دلاؤں گی اور حمزہ..... سب اس کے کردار کی تعریف کرتے ہیں، کیا پتا پس پردہ کچھ اور ہو..... لڑکیوں سے دور رہنے کا مقصد و مطلب سمجھ میں آتا ہے مگر مجھ سے دوری کیوں؟ میں تو جائز شرعی بیوی ہوں، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حمزہ میری طرف آنا چاہتے ہیں مگر خود کو روک لیتے ہیں۔" وہ الجھن زدہ تھی۔

"اوہ..... کہیں ایسا تو نہیں۔" وہ بری طرح چونکی۔ کافی عرصے پہلے صدف، انیلا اور اس میں ایک بحث چھڑی تھی۔ تب صدف نے بتایا تھا کہ کچھ مرد جو بظاہر پرفیکٹ ہوتے ہیں وہ اصل میں مرد نہیں ہوتے اور ان کی حقیقت شادی کے بعد کھلتی ہے اور ان کی ازدواجی زندگی بری طرح متاثر ہو جاتی ہے۔ اس نے مثال کے طور پر اپنے ایک دور پار کے رشتہ دار

کی مثال دی تھی اور بیوی نے اگلی صبح ہی اس سے خلع لے لی تھی...... اس خیال نے سپنا کی نیندیں ہی اڑادی تھیں۔ اس نے ابا سے ضد کی کہ وہ اس کی ٹکٹ کرادیں، اس کی عجلت دیکھ کر ابا نے اس کی ٹکٹ بک کرادی...... وہ سسرال نہیں گئی کیونکہ اس کے ساس، سسر اور شمس اپنے کسی رشتے دار سے ملنے ایبٹ آباد گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس جا کر اس قصے کو آر یا پار کرنا چاہتی تھی۔ اس نے حمزہ کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔ مگر ابا اس کی طرح بے وقوف نہیں تھے انہوں نے اسے ایئرپورٹ پہنچا کر خود حمزہ کو فون پر اطلاع کردی تھی۔ اسی لیے جب وہ کراچی ایئرپورٹ سے نکلی تو حمزہ کا ڈرائیور بمعہ کار اس کا منتظر تھا، وہ سمجھ گئی کہ ابا نے اپنا فرض ادا کردیا ہے۔ ڈرائیور کی زبانی پتا چلا کہ حمزہ گھر پر ہے اور دو دنوں سے اس کی طبیعت بھی ناساز ہے۔ اس کی بیماری کا سن کر اس کا غصہ تشویش میں بدل گیا...... گھر پہنچی تو ملازمین اپنی مالکن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے حمزہ کی خیریت معلوم کی۔

”صاحب کی طبیعت تو دو چار دنوں سے خراب ہے، میں کہتا رہا کہ ڈاکٹر کو دکھادیں مگر مانے ہی نہیں، خود ہی میڈیسن لیتے رہے۔ کل رات تو بہت تیز بخار تھا، نیم بے ہوش ہوگئے تھے۔ میں نے ڈاکٹر کو فون کرکے گھر بلایا تھا۔ اس نے انجکشن لگایا، دوا دی تب جا کر ذرا آرام آیا۔“ خیر دین تفصیل بتا رہا تھا۔

”ان کے پاس کون تھا؟“ اس نے پوچھا۔

”معصومہ میم صاحبہ تھیں...... بے چاری پوری رات ان کے سرہانے بیٹھی پٹیاں بدلتی رہیں۔“ خیر دین نے رپورٹ دی اور اس کا ذہن بھک سے اڑ گیا۔

”پوری رات......“ وہ جھٹکا کھا گئی۔

”جی...... زاہد اور میں بھی تھے۔“ خیر دین کو فوراً احساس ہوا کہ وہ کیا بول گیا ہے۔ فٹافٹ بات کی وضاحت کی۔ اس کا موڈ مزید خراب ہوگیا تھا۔

”آپ کے لیے چائے بناؤں؟“ اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں فی الحال موڈ نہیں ہے۔ پلین میں چائے پی لی تھی۔“ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا اور کچھ دیر کے لیے لاؤنج میں ہی رک گئی۔

”خیر دین تم اپنے مالکوں کے بہت وفادار ہو۔“ اس نے بڑی ذومعنی بات کی۔

”میں آپ کا اور سر کا خیر خواہ ہوں بیگم صاحبہ، چاہے میں کہیں پر بھی رہوں، سر اور آپ کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ سر تو بنے ہی آپ کے لیے ہیں۔“ وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا اس لیے فوراً بولا۔ سپنا مسکرائی۔

”اوکے...... میں کمرے میں ہوں، جب تک خود نہ بلاؤں کوئی ڈسٹرب نہ کرے اور اگر کوئی حمزہ سے ملنے آئے تو منع کردینا۔“ وہ مالکانہ انداز میں حکم دیتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

اس نے کمرے میں جھانکا تو حمزہ بیڈ پر دراز تھا، چند ہی دنوں میں اس کا سرخ صحت مند چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ دو دن سے شیو نہیں بنائی تھی تو چہرہ مزید بیمار لگ رہا تھا مگر اس رف حلیے میں بھی وہ خوب صورت ہی لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، دروازے کے کھلنے کی آواز پر وہ چونکا۔ سپنا لیمن کلر کے لباس میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”آپ آگئیں، فلائٹ ٹائم پر تھی؟“ حمزہ نے دھیرے سے پوچھا۔

”السلام علیکم! طبیعت کیسی ہے؟“ اس نے پوچھا، حمزہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ لگ رہی تھی۔

”ٹھیک ہوں۔ آپ کی طبیعت اتنی خراب تھی اور مجھے ایک کال کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔“ وہ ناراض ہوئی، حمزہ کو اس کا یہ روپ بڑا الگ اور پیارا لگا۔

”آپ کو ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا، آپ وہاں ریلیکس ہونے گئی تھیں۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

”میں وہاں ریلیکس ہو رہی تھی اور آپ یہاں...... کسی اور کے ساتھ ریلیکس ہو رہے تھے۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”واٹ ربش...... کیا کہہ رہی ہیں؟“ حمزہ نے بیزاری سے اس کی بات کاٹ دی۔

”آپ سمجھدار ہیں، خود ہی جان جائیں۔“ وہ غصے سے بولی۔ ایک تو پہلے ہی وہ اتنے دنوں سے الٹا سیدھا سوچ رہی تھی، اس پر ظلم یہ ٹوٹا کہ آتے ہی خیر دین سے خصوصی بلیٹن سننے کو مل گیا۔ ذہن جب پہلے ہی سے کسی سوچی ہوئی بات پر اتفاق کر بیٹھے تو پھر کچے ذہن والے شخص کے لیے اپنی ہی اس بات پر حدیث کی طرح ایمان لے آئے کوئی تعجب خیز کی

بات نہیں ہوتی۔ سپنا کا ذہن پہلے ہی ناپختہ اور سطحی تھا، اس پر اس نے جو حالات فیس کیے تھے اور جو کچھ سوچا اور سمجھا تھا وہ اس کے ذہن اور سوچ کے مطابق صحیح تھا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا؟ صاف صاف بات کریں۔" حمزہ نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ سپنا اس کے سرہانے کھڑی تھی۔

"مطلب تو آپ جانتے ہیں، میں کیا سمجھاؤں؟" وہ مڑنے لگی تو حمزہ نے تیزی سے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایسے نہیں...... مجھے تمہارے منہ سے سننا ہے کہ تم میرے بارے میں کیا گمان کر کے بیٹھی ہو۔" وہ غرایا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس نے خود کو چھڑانا چاہا۔

"میری بات کا جواب دو سپنا۔" وہ غرایا۔ "میں تمہارے سطحی پن کی حد دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے دھیمے مگر غضب ناک انداز میں کہا۔

"میرا سطحی پن یا اپنے......؟" اس نے غصے سے کہا۔ "میرے لیے آپ کے پاس وقت نہیں اور دوسری لڑکیوں کے لیے وقت ہی وقت ہے۔ اتنا کہ وہ راتوں کو بھی آپ کو کمپنی دیتی ہیں، آپ کی تیمارداریاں کرتی ہیں۔" وہ طنز میں ڈوبے لہجے میں بولی۔

"وہ صرف میری طبیعت دیکھ کر رکی تھی اور صرف وہی نہیں تھی، میجر زاہد اور ان کی مسز بھی آئے تھے پھر وہ دونوں چلے گئے اور......" حمزہ نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"تو بیٹی کو یہاں جوان جہاں مرد کے پاس کیوں چھوڑ گئے؟ جبکہ آپ کی بیوی بھی موجود نہیں تھی۔" اس نے چلا کر کہا۔

"خیر دین اور بٹلر موجود تھے یہاں، وہ اکیلی نہیں تھی اور نہ میں ہوش میں تھا، ورنہ کبھی بھی کسی بھی صورت اسے یہاں رکنے نہیں دیتا۔ صبح میں ہوش میں آیا تھا تب میں نے اسے گھر بھیج دیا تھا۔ تم بات کو سمجھو۔" حمزہ اب کی بار قدرے نرمی سے بولا۔ وہ اسے نرمی سے سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"ہاں...... وہ بچی ہے ناں کہ اسے گھر بھیج دیا۔" وہ تنک کر بولی۔

"بات کو سمیٹو سپنا...... بات کچھ بھی نہیں ہے اور تم تماشا بنا رہی ہو۔ وہ بھلی لڑکی ہے، بس ضرورت سے زیادہ بولڈنیس کی وجہ سے مار کھا جاتی ہے۔" حمزہ نے اسے سمجھانا چاہا، وہ اس کی ذہنی سطح کو آسانی سے ناپ سکتا تھا کیونکہ وہ اس کی طرح ناپختہ دماغ نہیں رکھتا تھا۔

"وہ معصوم لڑکی...... ہاں ایک وہ معصوم ہے جس کی معصومیت کی گواہی آپ دیتے رہتے ہیں اور آپ معصوم ہیں جن کی شرافت کی کئی قسمیں کھا کر وہ مجھے کسی بات کا یقین دلانا چاہتی ہے...... آپ دونوں معصوموں کے درمیان پھر میرا کیا کام؟" حمزہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"تمہارے دماغ کے فتور کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔" وہ کہہ کر باتھ روم چلا گیا اور وہ غصے میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ حمزہ کچھ دیر بعد باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں ٹاول تھا اور وہ چہرہ صاف کر رہا تھا۔

"حمزہ...... آپ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔" وہ اس کے قریب ہوئی۔ حمزہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے قریب نہیں آتے...... مجھے خود سے دور رکھتے ہیں، میں تو شرعی بیوی ہوں، حق دار ہوں، مجھے کہتے ہیں کہ آپ میں باپ بننے کی صلاحیت نہیں، آپ کی چہیتی گواہی دیتی ہے کہ آپ بڑے پاک باز ہیں۔ میری ماں، آپ کی ماں اور بہت سی عورتیں مجھ سے یہ سوال کرتی ہیں کہ میں انہیں 'خوش خبری' کب سناؤں گی؟ کڑی سے کڑی جوڑوں تو یہی نتیجہ آتا ہے سامنے کہ آپ نامرد ہیں جو مجھے نہ عورت بننے کا سکھ دے سکتے ہیں نہ ماں بننے کا۔" وہ بے لگام ہو رہی تھی کہ حمزہ کے زوردار تھپڑ نے اس کی لگامیں کھینچ لیں۔

"تم نے مجھے ایسا طعنہ دیا ہے سپنا، جسے کوئی مرد برداشت نہیں کر سکتا...... اب سنو حقیقت، مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے، میں نے صرف تمہیں ذلت کا احساس محسوس کرانے کے لیے جھوٹ بولا تھا تاکہ تم بھی اس محرومی اور ذلت کے احساس کو محسوس کرو، جس سے تم دوسروں کو گزارتی تھیں۔ تمہیں بھی احساس ہو کہ کیسا محسوس ہوتا ہے جب انسان اپنی ناکردہ غلطی اور گناہ کی پاداش جھیلتا ہے۔" حمزہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔" وہ گال پر ہاتھ رکھے پھر چلائی۔

"میں اگر جھوٹ بول رہا ہوں تو پھر واقعی تم جیسی عورت کو ماں بننے کی سعادت سے محروم ہی رکھوں گا، تم میری قربت کو ترستی رہو گی۔" وہ زہرخند لہجے میں بولا، اتنی ذلت، اتنی بے

عزتی اس نے حمزہ کا گریبان پکڑ لیا۔

"یہ کہیں کہ میرا حق آپ جا کر دوسروں پر لٹاتا آتے ہیں، اسی لیے میرے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں بچتا، نہ محبت، نہ چاہت، آپ نے محض انتقام کی بھینٹ چڑھانے کے لیے میری زندگی برباد کی۔" اس نے حمزہ کے سینے پر مکے برساتے ہوئے کہا۔

"سپنا...... تم اب میری برداشت کی قوت کو آخری حد تک آزما چکی ہو، اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" حمزہ کے لہجے میں خونی بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی، سپنا واقعی اس کی برداشت کی آخری حد آزما چکی تھی۔

"میں ایک بار نہیں ہزار بار کہوں گی کہ آپ نامرد ہیں...... بدکردار ہیں اور......" وہ پاگل ہو رہی تھی غصے میں، حمزہ نے اسے بے دردی سے بازو سے دبوچا اور ایک جھٹکے سے بیڈ پر گرا دیا۔ اس کا نازک سا وجود اتنا زوردار جھٹکا سہ نہ سکا، وہ بری طرح بیڈ پر گری۔

"تم...... میں نے سوچا تھا کہ تم سدھر رہی ہو...... میں تم سے محبت کرنے لگا تھا، میں نے تمہیں خود سے محض اس لیے دور رکھا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ جو چند ایک خامیاں تمہارے اندر ہیں وہ بھی تم اپنی محنت اور سمجھ و کوشش سے دور کرو، میں تمہیں خود مواقع دے رہا تھا کہ میں تمہیں تراشنا چاہ رہا تھا مگر تم نے آج ثابت کر دیا کہ تم معمولی پتھر ہو اور پتھروں کی جگہ پیروں میں ہوتی ہے، انہیں سر پر سجا کر نہیں رکھا جاتا۔" حمزہ نے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کیا اور اس کی طرف بڑھا۔

"مجھے باہر جانا ہے۔" وہ اس سے شدید خوف محسوس کر رہی تھی۔

"اب سارے راستے بند ہیں اور تم نے یہ راستے خود بند کیے ہیں۔" حمزہ نے واقعی سارے راستے بند کر دیئے تھے، فرار کا ہر راستہ بند تھا اور وہ اتنی گھٹن میں تھی کہ سانس بھی مشکل سے لے رہی تھی۔ حمزہ نے اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ مضبوطی سے جما دیا تھا۔ اس کی ہر چیخ اندر ہی دم توڑ رہی تھی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"میرا کردار مضبوط ہے تو میرے لیے اور نہیں ہے تو بھی میرے لیے...... تم نے جرأت کیسے کی میری ریاضتوں پر پانی پھیرنے کی؟ معصومہ صرف میری دوست ہے اور اس

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ آنچل کراچی
ماہنامہ حجاب کراچی
ہم ہر وقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
23000 روپے
میڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے
21500 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام، ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔
مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز
81 [illegible] آف پاکستان
[illegible] آنچل [illegible] کراچی 75510
فون نمبرز: +922-35620771/2
naeyufaq.com
Info@naeyufaq.com

سے زیادہ کچھ نہیں، مجھے اس سے شادی کرنی ہوتی تو مجھے کوئی روک نہیں سکتا تھا اور نہ روک سکتا ہے سپنا، میں نے زندگی میں تم سے زیادہ بدصورت چہرہ نہیں دیکھا۔ تم میری نظر میں دنیا کی سب سے بدصورت عورت ہو۔“ وہ اپنے اندر کے الاؤ کو ٹھنڈا کر کے کمرے سے جا چکا تھا۔ سپنا تکیے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، آج صحیح معنوں میں اسے خود پر تاسف ہو رہا تھا، اپنی بے وقوفی اور جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا...... حمزہ کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ ہنٹر بن کر اس کی روح پر کوڑے برسا رہا تھا، وہ اپنے وجود پر ماتم کر رہی تھی۔

* * *

آسمان تک دیوار تھی جو ان دونوں کے درمیان آ چکی تھی۔ حمزہ نے اپنا بستر الگ کر لیا تھا۔ اس نے بہت مرتبہ چاہا کہ اس سے معافی مانگے مگر حمزہ اسے موقع ہی نہیں دے رہا تھا پھر وہ بغیر اسے بتائے چند دنوں کے لیے لاہور چلا گیا۔ اسے تو ڈرائیور کی زبانی اس کے جانے کی خبر ملی تھی۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ حمزہ کی خاموشی کند چھری کا کام کر رہی تھی اس روز بھی وہ افسردہ سی بیٹھی تھی جب خیر دین نے اسے معصومہ کے آنے کی اطلاع دی، وہ لاؤنج میں آئی تو معصومہ اس کی منتظر تھی۔

”بھئی...... حمزہ سے ایسی لاپروائی کی توقع نہیں تھی، اب دیکھو ناں رات کو میری فلائٹ ہے امریکہ کی اور وہ ہے کہ غائب، میں نے پرسوں اسے فون کر کے کہا بھی تھا کہ وہ مجھ سے مل لے پھر میرا آنا دو سال بعد ہی ہوگا مگر وہ صاحب ابھی تک نہیں آئے، سوچا تم سے تو مل لوں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔

”تم جا رہی ہو؟“ وہ چونکی۔

”تمہیں حمزہ نے نہیں بتایا؟“ اب چونکنے کی باری معصومہ کی تھی۔

”او...... ہاں...... بتایا تھا، مجھے یاد نہیں رہا۔“ اس نے بہانہ بنایا، اپنا بھرم بھی بنائے رکھنا تھا۔ وہ اپنے اور حمزہ کے بیچ کے تناؤ کی بھنک کسی کو نہیں دینا چاہتی تھی۔

”شاباش...... ابھی سے تمہارا یہ حال ہے اور ہاں حال سے یاد آیا یہ اتنے حلقے کیوں پڑے ہیں تمہاری آنکھوں کے گرد؟ رنگت بھی پیلی ہو رہی ہے، بیمار ہو کیا؟“ اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”ہاں بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں۔“ اس نے ٹالا۔

”تو ڈاکٹر کو دکھایا؟“ وہ فکر مندی سے بولی۔

”حمزہ بھی یہاں نہیں ہیں، میں بھی اتنے دنوں بری طرح مصروف رہی تھی باہر جانے کے چکر میں، تمہاری خیر خبر ہی نہ لے سکی...... سو سوری سپنا۔“ وہ فکر مندی سے بولی تو سپنا کا جی چاہا کہ اپنے منہ پر طمانچے مارے، اس نے گدھے گھوڑوں کو ہمیشہ ایک ہی لاٹھی سے ہانکا تھا۔

”تم یہ سب چھوڑو...... میں چائے بنواتی ہوں بلکہ ایسا کرتے ہیں جوس بنواتی ہوں، دونوں مل کر پیتے ہیں۔“ سپنا نے اسے بہلا لیا ورنہ وہ ضرور بھید پا لیتی۔ کچھ دیر بعد معصومہ چلی گئی اور وہ حمزہ کو یاد کر کے رو رہی تھی۔

”بھائی...... انہیں معاف کر دیں۔“ شمس نے اس کی ساری بات کے جواب میں اس نے اتنا ہی کہا تھا۔

”اتنا سب کچھ ہونے کے بعد؟ تم جانتے ہو ناں اس نے کتنا بھیانک جرم کیا ہے۔“ حمزہ نے ناراضگی سے ندیم کو دیکھا۔

”جی جان گیا ہوں مگر بھائی میں نے تو آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ان کی ذہنی سطح کتنی ہے، میں نے آپ کے لیے ان کا انتخاب اس لیے کیا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ آپ انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر اپنے قابل بنا لیں گے، وہ اتنی بری نہیں ہیں، بس جذباتی اور عقل کی کچی ہیں، اس میں ایک وجہ ان کی عمر ہے اور دوسری شاید یہ کہ ان کی تربیت صحیح اصولوں پر نہیں ہوئی۔“ وہ سنجیدگی اور خیر خواہی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ حمزہ اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

”تم اب بھی اس کی طرف داری کر رہے ہو؟“

”نہیں...... میں کسی کی طرف داری نہیں کر رہا، آپ انہیں ایک موقع اور دیں۔“ ندیم نے نرمی سے کہا۔

”وہ بہت بدتمیز ہے۔“ حمزہ واقعی اس سے بہت خفا تھا۔

”مگر آپ کی محبت نے انہیں تمیز سکھائی ہے، مان لیں میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ کتنی بدل گئی ہیں، کسی سے معافی مانگنے کے لیے بڑی ہمت درکار ہوتی ہے بھائی، یہ ہمت ان کے اندر ہے، انہوں نے سب سے معافی مانگی اور اپنی غلطی تسلیم کی، یہ بات اس چیز کا ثبوت ہے کہ وہ کوئی معمولی خاتون نہیں ہیں، بس آپ کو انہیں پورے خلوص کے ساتھ اس راہ پر لانا ہے جو ہمارا مقصد تھا، انہیں یہاں تک لا کر ایسے مت چھوڑیں۔“ وہ اسے بہت دیر تک سمجھاتا رہا، اس کی نیت اچھی تھی جب نیت اچھی ہو اور خلوص بھی شامل ہو تو بات میں

ازخود تاثیر آجاتی ہے، حمزہ نے ہمیشہ کی طرح بہت غور اور توجہ سے اس کی بات سنی اور پھر راضی ہوگیا۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ لاہور سے اسے سیدھا اسلام آباد جانا پڑا تھا، ملکی حالات کے پیش نظر ہنگامی میٹنگز ہورہی تھیں، اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں مل رہی تھی، سپنا سے اس کی بات نہیں ہو پارہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ فون پر نہیں بلکہ ملاقات کرکے اس سے معاملات صاف کرے..... ان ہی چکروں میں دن سرکتے رہے، اسے گئے ہوئے دس روز گزر چکے تھے۔ سپنا کو اکیلے رہنے کی عادت نہیں تھی۔ حمزہ کے بغیر وہ تکلیف محسوس کررہی تھی۔ شب و روز یکساں کیفیت میں تھے۔ اداس، بے قرار، بے چین، اس نے درمیان میں کئی مرتبہ سسرال فون کیا اور حمزہ کے بارے میں پوچھا مگر وہ وہاں ہوتا تو ملتا۔ اس روز وہ اداس سی لان میں بیٹھی تھی جب گیٹ پر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنی وہ سمجھی شاید حمزہ ہے، وہ دیوانہ وار گیٹ کی طرف بڑھی مگر گیٹ کھلتے ہی ابا اور حماد بھائی کا چہرہ دکھ کر وہ ٹھٹکی۔

”ابا..... بھائی.....“ وہ ابا سے لپٹ کر رو پڑی۔

”ارے رے..... بس بھی کرو بٹو، کیا سارے آنسو یہیں بہا دو گی۔“ انہوں نے اسے پیار کیا۔ وہ حماد بھائی سے ملی اور دونوں کو اندر لے آئی۔ غم اور تنہائی کی ان ساعتوں میں اپنوں کی موجودگی کسی نعمت سے کم نہ تھی۔

”کیسے ہیں ابا، حماد بھائی آپ کیسے ہیں، اماں، دادی، باقی سب کیسے ہیں؟“ وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔

”سب ٹھیک ہیں، تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔“

”مجھے بھی سب یاد آتے ہیں آپ کراچی کب آئے؟“ اسے خیال آیا۔

”بس سیدھا ایئرپورٹ سے آرہا ہوں تمہارے پاس۔ ایک خوشخبری ہے مگر حمزہ میاں کہاں ہیں؟ ان کے سامنے سنائیں گے۔“ ابا بولے۔

”وہ تو کراچی سے باہر گئے ہیں، خوشخبری کیا ہے؟ جلدی بتائیں ناں۔“ اس کو حمزہ کا خیال آتے ہی نہ جانے کیا کچھ یاد آگیا۔ اس نے ذہن کو جھٹکا اور بے قراری سے بولی۔

”صابر کی بات پکی کردی ہے، صابر کے ساتھ ساتھ تمہارے اس بھائی کو بھی سہرا پہنا رہے ہیں ہم۔“ ابا نے بتایا تو وہ اچھل پڑی۔

”سچی..... بہت بہت مبارک ہو حماد بھائی اور آپ کی دلہن کون ہے؟ مجھے ساری تفصیل بتائیں۔“ وہ خوشی سے بولی۔ ”مگر ایک منٹ میں آتی ہوں۔“ وہ بھاگتی ہوئی کچن میں گئی اور بٹلر کو دوپہر کے کھانے کا مینو بتا کر فی الحال جوس لانے کا کہا۔

”آپ لوگ جتنے دن بھی یہاں ہیں میرے پاس رکیں گے۔“

”نہیں بٹو، ہم تم سے مل کر منی کے گھر جائیں گے۔ وہاں رات گزار کر کل صبح واپسی۔“ ابا نے شیڈول بتایا۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا، ہزاروں روپے خرچ کرکے آئے ہیں تو صرف ایک دن کے لیے؟ میں کچھ نہیں جانتی، آپ میرے پاس رک رہے ہیں۔ ٹکٹ کینسل کرائیں۔“ وہ ضد کرنے لگی۔

”مجبوری ہے بٹو۔ تمہاری اماں نے یہاں سے کچھ چوڑیاں اور دوسرے زیورات منگوائے تھے، ہمیں آج ہی وہ کلیکٹ کرنے ہیں، وقت کم ہے، حمزہ میاں تو شاید زیادہ دنوں کے لیے نہ آسکیں مگر تم اور منی کم سے کم پندرہ دن پہلے ضرور آجانا۔“ ابا نے کہا، شادی تین ماہ بعد تھی، پھر دوپہر کے کھانے پر اس نے زبردستی ان دونوں کو روک لیا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے اپنی گاڑی میں انہیں ثمینہ کے گھر بھجوادیا تھا، حالانکہ ابا تو بہت منع کرتے رہے مگر وہ نہیں مانی تھی۔

”میکے سے آنے والی ہوا بھی عورت کے لیے سرور کا سبب بنتی ہے۔ یہ قدرتی امر ہے، لڑکی کے دل کا ایک حصہ میکے کے کھونٹے سے اٹکا رہتا ہے۔ دل کے اس حصے میں ہمیشہ یادوں کا ڈیرہ رہتا ہے۔“ خیر دین نے کہا تو اس نے چپکے سے آنسو پونچھے۔

”کتنی بڑی ہمت کرتے ہیں والدین..... اپنے کلیجے کو نوچ کر کسی اور کے حوالے کردیتے ہیں۔“ اس نے آہستگی سے کہا اور اندر پلٹ گئی۔

معصومہ بھی جاچکی تھی، ثمینہ کی ڈلیوری کی تاریخ قریب تھی۔ ادھر نایاب کے دن بھی قریب تھے۔ صابر بھائی اور حماد بھائی کی دلہنیں سگی بہنیں تھیں، شادی میں اتنی جلدی کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ حماد کو کمپنی کسی کورس کے سلسلے میں باہر بھجوا رہی تھی، وہ اب جاتے تو دو سال بعد واپسی ہوتی، اماں چاہتی تھیں کہ شادی کرکے ہی حماد باہر جائیں۔ دوسری وجہ دونوں

بھابیوں کے اماں ابا کو حج پر جانا تھا اور وہ جانے سے پہلے دونوں بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

اماں جیسی سگھڑ اور قناعت پسند خاتون کے لیے دو بیٹوں کی اتنی ارجنٹ شادی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ انہوں نے خاصا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا، حتیٰ کہ دونوں لڑکے انہیں جو تنخواہیں دیتے تھے اس سے بھی وہ کچھ نہ کچھ زیور وغیرہ بنوا کر رکھتی رہی تھیں، سپنا پہلے ہی حمزہ کے غائب ہونے پر فکر مند تھی اب دونوں بھائیوں کی شادی اور ثمینہ کی ڈیلیوری نے اسے فکر میں ڈال دیا تھا۔ ظاہر ہے اسے پوری تیاری کرنی تھی، نہ خالی ہاتھ جاسکتی تھی نہ ہی حمزہ کے بغیر اسے کچھ سوجھ رہا تھا۔ اسی فکر میں دو دن مزید گزر گئے۔ اس صبح وہ ابھی سو کر اٹھی ہی تھی کہ اس کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بے تابی سے فون اٹھالیا۔

”ہیلو...... سپنا میں مظفر بول رہا ہوں اسپتال سے۔“ دوسری طرف سے اس کی بات پر وہ چونکی۔

”اسپتال...... خیریت ہے، منی تو ٹھیک ہے؟“ وہ الرٹ ہوئی۔

”مبارک ہو تم خالہ بن گئی ہو...... ثمینہ بالکل ٹھیک ہے الحمدللہ...... کل رات ایمرجنسی میں ثمینہ کو یہاں لانا پڑا تھا، تم آجاؤ، وہ تمہیں یاد کر رہی ہے۔“ مظفر کے لہجے سے جھلکتی خوشی وہ صاف محسوس کرسکتی تھی۔

”آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ مجھے ہاسپٹل کا نام بتائیں۔ میں ابھی آتی ہوں اور منی کے لیے کیا لاؤں کھانے پینے کا اور آپ نے تو بتایا ہی نہیں کہ لڑکا ہوا ہے یا لڑکی؟“ وہ بے حد خوشی محسوس کررہی تھی۔

”او...... ہاں اتنا جذباتی ہوگیا تھا کہ یاد ہی نہیں رہا۔ ماشاءاللہ، اللہ کی نعمت اتری ہے لڑکا پیدا ہوا ہے۔“ وہ قدرے جھینپ کر بولا۔

”زبردست...... بس میں کچھ دیر میں آرہی ہوں۔“

”ڈاکٹرز نے ابھی ثمینہ کو ڈرپ پر رکھا ہے تم خود آجاؤ۔“ اس نے کہا۔ فون بند کرنے کے بعد اس نے لباس بدلا اور بٹلر کو کچھ ہدایات دے کر کمرے میں آکر اپنا پرس چیک کیا، چند ہزار اس میں موجود تھے، اس نے بال سلجھا کر فون اٹھایا اور گھر نمبر ملانے لگی۔

”جی اماں، السلام علیکم، اتنی صبح صبح خوشخبری ہی سنانے کے لیے فون کیا ہے، آپ گھبرائیں نہیں، جی منی نے آپ کو نواسے کا تحفہ دیا ہے۔ جی جی...... میں ادھر ہی جارہی ہوں۔ جی...... حمزہ...... نہیں ابھی نہیں لوٹے...... جی پتا نہیں کب آئیں گے، جی...... اچھا اماں، میں بعد میں بات کرتی ہوں۔“ اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

”کہاں ڈھونڈوں تمہیں، پتا نہیں کہاں چلے گئے ہو؟“ اس کا دل ہمک رہا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور پرس اٹھا کر کچن میں آگئی۔ خود تو اس نے برائے نام ناشتہ کیا تھا مگر مظفر کے لیے اچھا سا ناشتہ بنوا کر پیک کرالیا تھا پھر بٹلر کو دوپہر کے کھانے کا آرڈر دے کر وہ خیر دین کو کچھ ہدایات دے کر ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل جانے کے لیے نکل پڑی تھی۔

ثمینہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

”مظفر بے چارے سائے کی طرح میرے ساتھ ہیں۔ اتنا خیال رکھ رہے ہیں مگر آپ کو دیکھ کر تو جیسے نئے سرے سے توانائی آگئی ہے کہ میرے میکے سے میری بہن آئی ہے۔ میرا پلڑا بھاری ہے، شکریہ آپا۔“ وہ بے حد نقاہت سے بول رہی تھی۔

”تم زیادہ دادی اماں مت بنو، تمہارا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا ہے...... اماں نے ہمیشہ مجھ سے زیادہ تمہیں اپنی بیٹی سمجھا اور تم نے بھی انہیں بیٹی بن کر دکھایا، میں منے کو تو دیکھ لوں، ہے کس کی طرح؟“ وہ کاٹ میں لیٹے ہوئے ننھے منے سے فرشتے پر جھک گئی۔

”ماشاءاللہ...... منی یہ تو بالکل چچا طالب پر گیا ہے۔“ اسے بچے پر بے تحاشہ پیار آیا۔

”شکر ہے آپ کو پسند آگیا میں نے مظفر سے کہا تھا کہ ہمارا بچہ اتنا پیارا ہے کہ سپنا آپی کو ضرور پسند آئے گا۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

”شرمندہ کررہی ہو؟“ سپنا بچے کو چوم کر واپس کاٹ میں لٹا چکی تھی۔ اس نے افسردگی سے ثمینہ کو دیکھا۔

”نہیں...... جو خود شرمندہ ہونا جانتا ہو، اس پر محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ وہ مسکرائی۔

”اچھا بتاؤ کہ تمہیں کھانا پینا کب سے شروع کرنا ہے؟ تمہارے تو انجر پنجر ڈھیلے ہورہے ہوں گے...... چہرہ بالکل پیلا ہورہا ہے۔“ اس نے ثمینہ کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”تم اتنا کچھ کیوں لے آئیں؟ تم نے ناشتہ خود بھی کیا ہے یا ایسے ہی بھاگی چلی آئیں؟“ مظفر اندر آتے ہوئے بولا۔ ڈرائیور نے اسے ٹفن اور کھانے کی باسکٹ گیٹ پر ہی پکڑا دی تھی جو سپنا ساتھ لائی تھی کیونکہ اندر ایک سے زیادہ افراد کو ملنے کی اجازت نہیں تھی لہٰذا سپنا کو مظفر نے گیٹ پر ہی ریسیو کیا تھا۔

”آپ بے فکر رہیں میں کر چکی ہوں ناشتہ، چچی کے پاس کوئی ہے؟“ اسے دفعتاً خیال آیا۔

”ہاں، ان کے لیے ملازمہ ہے جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتی ہے۔ حمزہ کیسا ہے، وہ تو آفس چلا گیا ہوگا؟“ مظفر نے پوچھا۔

”نہیں..... وہ دراصل شہر سے باہر گئے ہیں۔ انہیں تو خبر بھی نہیں۔ آپ سنائیں ننھے میاں کا کیا نام رکھیں گے، کچھ سوچا بھی ہے؟“ اس نے خوب صورتی سے بات گھمائی۔

وہ کافی دیر بعد گھر پہنچی تھی۔ مظفر نے اسے بتایا تھا کہ ایک دن ثمینہ اور بچے کو اسپتال میں رہنا پڑے گا پھر چھٹی کردی جائے گی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ثمینہ اور بچے کے لیے کچھ تحائف خریدے مگر اس کے پاس گھر میں رقم بہت قلیل تھی اور حمزہ بھی غائب تھا اسے اب حمزہ پر غصہ بھی آنے لگا تھا۔ گھر پہنچی تو بغیر کسی سے بات کیے سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ باتھ روم میں شاور کی آواز سن کر وہ چونکی...... بیڈ کے نیچے حمزہ کے جوتے اور کرسی پر بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ صوفے پر کوٹ تھا، وہ سمجھ گئی کہ وہ آچکا ہے۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔

”کتنے دنوں بعد آئے ہیں، نہ جانے موڈ کیسا ہو؟ میرے اللہ، میری مشکل آسان فرما، میری توبہ جو آئندہ کبھی کسی کو کالا کہا، انسان کو اپنے کیے کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے، سب سمجھ میں آ گیا ہے، بس اللہ یہ مان جائیں۔“ وہ ہاتھ رگڑتے ہوئے دعا کر رہی تھی۔ بے چینی اس قدر تھی کہ کبھی بیڈ پر بیٹھتی تو کبھی کرسی پر، کبھی ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کر بال ٹھیک کرنے لگتی، کچھ دیر وہ لب بھینچے ادھر سے ادھر ہوتی رہی پھر آئینے کے سامنے آ کر بال کھول کر برش کرنے لگی۔ سفید کاٹن کے امبرائیڈ لباس میں کھلی ہوئی ریشمی زلفوں کے احاطے میں بالکل ایسے ہی لگ رہی تھی جیسے بدلیوں میں چاند۔ اس نے بالکل لائٹ سی پرپل شیڈ کی لپ گلوز لگا کر ہلکا سا بلش آن لگایا اور دراز کھول کر اس میں سے ڈائمنڈ کے ننھے ننھے آویزے نکال کر پہن لیے، انگلیاں خالی تھیں اس نے وائٹ گولڈ کی دو رنگز پہنیں اور تنقیدی نظروں سے اپنا عکس دیکھا۔

”ٹھیک ہے۔“ کا مارک لگا کر وہ پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر خیر دین سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اس نے حمزہ کے بارے میں پوچھا۔

”جی..... بس کوئی پندرہ بیس منٹ پہلے آئے ہیں، آپ کا پوچھا تھا تو میں نے بتایا کہ آپ مظفر میاں اور ثمینہ بی بی کے بیٹے کو دیکھنے اسپتال گئی ہیں۔“ خیر دین نے حسب توفیق جواب دیا۔

”کچھ کھایا انہوں نے؟“ اس نے پوچھا۔

”جی نہیں..... آتے ہی نہانے چلے گئے، کافی کا کہہ کر گئے تھے، بٹلر نے ابھی بنائی نہیں ہوگی، میں اسے کہتا ہوں کہ بنا لے۔“ وہ بولا۔

”نہیں رہنے دیں، میں خود بنا لوں گی۔“ وہ کچن میں آئی اور کافی بنانے لگی۔ بٹلر اس سے دوپہر کا مینو پوچھ رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے اسے مینو بتانے لگی۔

”بیگم صاحبہ قورمے کے ساتھ ایگ فرائیڈ رائس سوٹ نہیں کرے گا۔“ وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا جو آج عجیب طرح سے مینو بتا رہی تھی۔

”او..... ہاں میرا دھیان نہیں تھا، دراصل میری بہن کی طرف میرا سارا دھیان لگا ہوا ہے۔“ اس نے ملازم پر اپنی کیفیت ظاہر کرنا اچھا نہ سمجھا۔

”جی کیسی طبیعت ہے چھوٹی بیگم کی اور بچہ کیسا ہے؟“ بٹلر نے پوچھا۔

”شکر ہے ٹھیک ہیں دونوں۔ تم ایسا کرو کہ دوپہر کے لیے کچھ بھی اچھا سا پکا لو۔“

”آپ اسپتال جائیں گی؟“

اعتذار

سابقہ شمارے میں تزئین کار کی غلطی سے ”کچھ تو کہوں ناں“ کے پہلے حصہ پر مصنفہ کا نام ”بنت حوا“ کی بجائے ”عائشہ نور محمد“ شائع ہوا جس کے لیے ادارہ آنچل اپنے قارئین اور دونوں لکھاری بہنوں سے معذرت خواہ ہے۔

"نہیں...... حمزہ آئے ہیں، دوبارہ جانا مشکل ہے، کل چلی جاؤں گی۔" اس نے کافی بنا کر چھوٹی سی ٹرے میں کپ اور کوکیز کی پلیٹ رکھی اور اپنے اندر ہمت پیدا کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کمرے کے دروازے کے پاس پہنچتے ہوئے اس نے دل کو سنبھالا اور ایک ہاتھ سے ٹرے پکڑی اور دوسرے سے دروازہ کھول کر لرزاں دل کے ساتھ اندر آئی۔ حمزہ باہر آ چکا تھا، اس وقت وہ ڈریسنگ گاؤن پہنے سنگھار میز کے سامنے کھڑا تولیے سے گیلے بال رگڑ کر خشک کر رہا تھا۔ اس نے درواہ کھلنے پر چونکے بغیر اس کا آئینے میں عکس دیکھا۔

"آپ کب آئے؟" سلام کرنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کچھ دیر ہوئی۔" جواب دینے کے بعد وہ بولا اور تولیہ اسٹول پر رکھ کر بال برش کرنے لگا۔

"آپ چونکے نہیں دروازہ کھلنے پر؟" اس نے ٹرے میز پر رکھی کچھ تو بات شروع کرنی تھی۔

"اتنی جرأت مالک ہی کر سکتا ہے، بند کمرے میں بغیر اجازت دروازہ کھول کر اندر آنے کی۔" بڑا لوجیکل جواب دیا تھا۔

"کیسے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" بڑا ہی مختصر جواب ملا۔

"میرا حال نہیں پوچھیں گے؟" اس نے چند لمحوں کے وقفے کے بعد کہا۔

حمزہ نے صرف آنکھوں کو گھمایا، اس کی جادو بھری نظروں کی گرفت وہ خود پر محسوس کر کے پھر سے بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ کتنے دنوں بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی، بہت تازہ دم نظر آ رہا تھا، اسلام آباد کی آب و ہوا نے اس کی صحت پر اچھا اثر کیا تھا، اس کی نگاہوں کی تپش نے اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ثمینہ اور ان کا بیٹا کیسے ہیں؟" حمزہ نے ڈریسنگ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا تو وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"گویا ناراضی کا دور اب بھی چل رہا ہے۔" اس نے زیر لب کہا۔

"کچھ کہا آپ نے؟ میں نے سنا نہیں۔" حمزہ نے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں دونوں۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا حمزہ لباس تبدیل کر کے گھر کے کپڑوں میں ملبوس آرام دہ حالت میں بیڈ پر آ کر نیم دراز ہو گیا۔ سپنا نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔ حمزہ نے خاموشی سے کپ لے کر میز پر رکھ دیا۔

"بغیر بتائے، بنا کسی اطلاع کے غائب ہونے کا کیا مطلب؟" وہ مزید برداشت نہ کر سکی تو بول پڑی۔ حمزہ نے کوئی جواب نہ دیا بس تکیے سے ٹیک لگا کر ٹی وی آن کر لیا۔

"میں آپ سے بات کر رہی ہوں حمزہ، آخر مجھے معافی کب ملے گی؟" وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی مگر اس کی پوری توجہ اسکرین پر تھی۔ وہ مختلف چینلز بدل رہا تھا۔

"کل میں بھی مظفر اور ثمینہ کے بیٹے کو دیکھنے جاؤں گا، دیکھوں گا کہ ایک سیاہ رنگت والے بدصورت آدمی کا بیٹا کیسا ہے، کیسا رنگ ہے، کیسی صورت ہے، میرا خیال ہے کہ وہ مظفر کی طرح بدصورت ہو گا......؟" حمزہ کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"اللہ کے واسطے بس بھی کریں...... میں معافی مانگ چکی ہوں۔" اس نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"ممی اگلے سال ندیم کی شادی کروا دینا چاہتی ہیں۔ میں نے تو ممی سے کہہ دیا ہے کہ شمس ندیم کی بیوی بہت خوب صورت اور گوری رنگت والی ہونی چاہیے، آخر نسل بھی تو چلنی ہے مگر ممی کہتی ہیں کہ خوب صورت ہو یا بدصورت، کالا ہو یا گورا، ماں کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور پھر بیوی خوب صورت ہو، گوری رنگت والی ہو تو کیا گارنٹی ہے کہ آگے اولاد بھی ویسی ہی ہو گی، بھئی اولاد بدصورت بھی نکل سکتی ہے؟ کبھی کبھی اگر ماں اور باپ دونوں خوب صورت ہوں، گورے ہوں تب بھی کوئی ایک بچہ بدصورت اور کالی رنگت والا نکل سکتا ہے۔" حمزہ نے اپنی بات جاری رکھی، مارے شرمندگی کے اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

"حمزہ پلیز......" اس نے جیسے التجا کی مگر وہ تو جیسے کان بند کیے ہوئے تھا صرف زبان ہی چل رہی تھی اس کی۔

"ممی پوچھ رہی تھیں کہ انہیں ہماری طرف سے یہ خوشخبری کب سننے کو ملے گی؟ بہت بے تاب ہیں وہ میرا بیٹا گود میں کھلانے کے لیے۔" حمزہ نے کپ نیچے رکھ کر اسے دیکھا۔ سپنا نے لب بھینچ لیے، سچ بات تو یہ تھی کہ وہ اس روز

کے بعد سے اس کے پاس آنے سے ہی گھبرانے لگی تھی۔

”مگر میں نے انہیں یہ کہا ہے کہ شاید ایسا نہ ہو سکے.....“ سپنا چونک کر اس کی طرف بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

”کیونکہ اگر بچے کا رنگ کالا ہوا تو میری بیوی مارے صدمے کے کہیں خودکشی ہی نہ کرلے اور اگر اس نے ہمارے بچے کو ڈس اون ہی کر دیا اس کی ’صورت‘ کی بنا پر تو وہ بے گناہ، بے قصور تو جیتے جی مر جائے گا کیونکہ میری بیگم بہت اسپیشل ہیں اور اللہ نے انہیں بہت ہی فرصت میں بنایا ہے تو وہ اپنے لائف پارٹنر کی طرح اور اپنی طرح اپنے بچے کو بھی بہت اسپیشل دیکھنا چاہتی ہے، اب بچہ آرڈر پر بننے والا کوئی جوتا، کوئی جوڑا تو ہے نہیں کہ اپنی مرضی کی شکل وصورت اور رنگت کے دھاگوں اور چمڑے سے بنایا جائے...... جیسا اللہ نے دیا، چاہے گورا ہو یا کالا پھر اسے قبول کرنا ہی پڑے گا تو......“ حمزہ نجانے اور کیا کچھ کہتا مگر اس نے اٹھ کر حمزہ کے ہونٹوں پر اپنا ننھا سا ہاتھ رکھ دیا۔

”بس کریں حمزہ...... اللہ کے واسطے بس کریں...... آخر اور کتنا ذلیل کریں گے مجھے، کتنا میری ہی نظروں میں گرائیں گے مجھے؟ میں سمجھ چکی ہوں، سب کچھ سمجھ چکی ہوں، کسی کو کسی کے رنگ اور حسن پر فوقیت نہیں ہوتی، اصل چیز ہوتی ہے تقویٰ اور ایمان کی مضبوطی، اصل چیز ہوتی ہے دلوں کی خوب صورتی اور نیتوں کا اجلا پن، میں ہمیشہ اسی کامپلیکس میں رہی کہ میں بہت حسین ہوں کیونکہ میری رنگت شفاف ہے، گوری ہے مگر آپ نے مجھے احساس دلایا کہ میرا دل کتنا کالا ہے، کتنی میلی سوچ ہے میری کہ میں بجائے انسان کی اصل اور پائیدار حسن وخوصورتی کی قدر کرنے کے بجائے ان کے ظاہر پر مرتی رہی، مجھے معاف کر دیں، بس کر دیں۔“ وہ اس کے پیروں پر سر رکھ کر رو دی۔ حمزہ کے لیے مزید اسے سزا دینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے نرمی سے اسے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کیا، آنسوؤں میں ڈوبا ہوا چہرہ، شبنم میں دھلے گلاب جیسا لگ رہا تھا، حمزہ نے جیب سے رومال نکال کر اس کا چہرہ صاف کیا۔

”آج تم بہت حسین لگ رہی ہو...... ویسی ہی حسین جیسا کہ اللہ نے تمہیں تخلیق کیا ہے۔“ اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے، سپنا کی آنکھوں میں تازگی اتر آئی مگر اسے حمزہ کی قربت سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے خود کو کسمسا کر اس کے بازوؤں سے نکالنا چاہا۔

”چھوڑیں مجھے، کام ہے۔“

”چھوڑنا ہوتا تو پکڑتا ہی کیوں؟ اچھا یہ بتاؤ اگر ہمارا بچہ کالا ہوا تو کیا کرو گی؟“ وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

”تو اسے باقی بچوں سے زیادہ پیار دوں گی۔“ وہ شرما کر بولی۔

اور اگر سارے ایک ہی رنگت والے ہوئے؟“ وہ باز نہ آیا۔

”تو بھی...... سب کو پیار کروں گی، ماما کو تفریق کرنی نہیں آتی۔“ اس نے اس بار بہت ہی متانت سے جواب دیا۔

”ماں بننے سے پہلے ہی ممتا اُمڈ رہی ہے۔“ وہ ہنسا تو سپنا نے جھینپ کر اس کے شانے پہ پیشانی ٹکا دی۔

سپنا شکر گزاری کے احساس سے گزر رہی تھی اور اللہ سے مخاطب تھی۔

”میں ناسمجھی کے عہد سے گزر رہی تھی، تو نے تب بھی مجھے محروم نہیں رکھا، آج میں ادراک کے راستے پر چل رہی ہوں، آگاہ ہوں، تو تو نے مجھے تب بھی محروم نہیں رکھا...... پروردگار مجھے اپنے احسانات کے بوجھ تلے داب دے اور کبھی بھی مجھ سے یہ ’عطا‘ واپس مت لینا جو آج تو نے میری جھولی میں ڈالی ہے۔“ اس نے سکون سے آنکھیں موند کر حمزہ کے سینے میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔

”آگاہی و ادراک کی کھڑکیاں ہر شخص کے اندر موجود ہوتی ہیں جو ان کھڑکیوں کو وا کر دیتے ہیں، ان کی ذات روشن اور نور سے بھر جاتی ہے، جو ان کھڑکیوں کو محض دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں وہ اندھیروں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ فیصلہ اور اختیار ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے۔“ حمزہ نے ہولے سے اس کے کان میں کہا اور اس کے دل پر حمزہ کی ساری باتیں نقش ہو گئی تھیں۔

www.naeyufaq.com